21

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

www.tanzeem.org

مسلسل اشاعت کا
32واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

تنظیم اسلامی کا ترجمان

9 تا 15 ذوالقعدہ 1444ھ / 30 مئی تا 5 جون 2023ء

سرمایہ داری نہیں، سرمایہ کاری

اسلام یہ تو چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری ہو مگر وہ سرمایہ داری کو باقی رکھنے کا روادار نہیں۔ مغربی معیشت سرمایہ کاری پر مبنی ہے۔ لیکن جب اس میں سود شامل ہو جاتا ہے تو سرمایہ کاری، سرمایہ داری بن جاتی ہے۔ سرمایہ کاری تو یہ ہے کہ آؤ کام کرو، سرمایہ لگاؤ اور تجارت کرو، لیکن تم کو سرمایہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ سرمایہ داری یہ ہے کہ محض سرمایہ کو نفع اندوزی کا ذریعہ بنایا جائے۔ محنت بھی نہ کی جائے اور نقصان میں شرکت بھی نہ کی جائے۔ اس کا نتیجہ دولت کے ارتکاز کی صورت میں نکلتا ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا ہے کہ ''ایسا نہ ہونا چاہیے کہ سرمایہ صرف دولت مندوں ہی کے درمیان گردش کرتا رہے''۔ (الحشر: 7) کیونکہ اس طرح طبقاتی تقسیم پیدا ہو جائے گی اور قرآن مجید کی اصطلاح میں ''مترفین'' اور ''محرومین'' کے دو طبقے وجود میں آ جائیں گے۔

مترفین کا طبقہ اس طرح وجود میں آتا ہے کہ ہر معاشی proposition میں تین امور شامل ہوتے ہیں۔ (الف) سرمایہ (ب) محنت (ج) اور موقع۔ کیونکہ وہی سرمایہ کاری اور وہی محنت کسی خاص وقت یا جگہ پر زیادہ نتیجہ خیز اور منافع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ جبکہ وہی سرمایہ اور وہی محنت کسی دوسرے وقت اور جگہ پر اس قدر نتیجہ خیز نہیں ثابت ہوتے۔ اسی کو موقع یا chance کہتے ہیں۔ اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے جبکہ ...... سرمایہ کو محض سرمایہ کی حیثیت سے Earning Factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی طرح chance محض chance کی حیثیت سے اگر کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ حرام ہے۔ جب سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں Earning Agent بنتا ہے تو اس کی بدترین شکل سود ہے۔ رہا ہے ہی یہ کہ محض سرمایہ کے بل پر ایک مقرر و معین منافع حاصل کیا جائے، اس طرح کہ نقصان سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ اسلام اور قرآن کی رو سے اس سے بڑھ کر کوئی شے حرام نہیں ہے۔

خلافت کی حقیقت
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

G-20

امیر سے ملاقات (15)

پاکستان کا سیاسی نظام اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بدل تو سکتا ہے اب بھی نقشہ

یوم تکبیر: ایٹمی پاکستان کی سلور جوبلی

The way ahead?

الھدیٰ
ڈاکٹر اسرار احمدؒ 1037

سُورَۃُ النَّمل تمہیدی کلمات

سُورَۃُ النَّمل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 01 تا 03

طٰسٓ ۟ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾
الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾

سورۃ النمل اس اعتبار سے پورے قرآن میں ایک منفرد سورت ہے کہ اس میں مکّی سورتوں کے تین مضامین یعنی التذکیر بآلاء اللہ، انباء الرسل اور قصص النبیین اکٹھے ہوگئے ہیں۔ ان میں سے دو مضامین پچھلی سورت یعنی سورۃ الشعراء میں بھی آئے ہیں۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قصص النبیین کے انداز میں ہے جبکہ باقی سورت پر انباء الرسل کا رنگ غالب ہے۔ اس کے مقابلے میں سورۃ النمل ان تین موضوعات کے تحت تقریباً برابر برابر تین حصوں میں تقسیم ہے۔ اس میں تین رسولوں (حضرت موسیٰ، حضرت لوط اور حضرت صالح علیہم السلام) کے واقعات انباء الرسل کے انداز میں ہیں جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قصص النبیین کی طرز پر ہے۔ آخر میں سورت کا تقریباً ایک تہائی حصہ التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہے۔

آیت ۱: ﴿طٰسٓ ۟ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱﴾﴾ ”طٰ س۔ یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔“

اگر ”وَ“ کو واوِ تفسیری مانا جائے تو پھر ترجمہ ہوگا: ”یہ قرآن یعنی کتاب مبین کی آیات ہیں۔“

آیت ۲: ﴿ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾﴾ ”یہ ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے لیے۔“

آیت ۳: ﴿الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ”جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

یعنی آخرت پر ان کا پورا یقین ہے۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی متقین کی صفات کے ضمن میں عقیدۂ آخرت پر ایمان کے لیے لفظ ”یُوۡقِنُوۡنَ“ ہی استعمال ہوا ہے۔ دراصل انسان کے عمل اور کردار کے اچھے یا بُرے ہونے کا تعلق براہِ راست عقیدۂ آخرت کے ساتھ ہے۔ آخرت پر اگر یقین کامل نہیں ہے تو انسان کا عمل اور کردار بھی درست نہیں ہوسکتا۔

درس حدیث

دنیا کا غم

عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنۡ کَانَتِ الۡاٰخِرَۃُ ھَمَّہٗ جَعَلَ اللّٰہُ غِنَاہُ فِیۡ قَلۡبِہٖ وَجَمَعَ لَہٗ شَمۡلَہٗ وَاَتَتۡہُ الدُّنۡیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ وَمَنۡ کَانَتِ الدُّنۡیَا ھَمَّہٗ جَعَلَ اللّٰہُ فَقۡرَہٗ بَیۡنَ عَیۡنَیۡہِ وَفَرَّقَ عَلَیۡہِ شَمۡلَہٗ وَلَمۡ یَاۡتِہٖ مِنَ الدُّنۡیَا اِلَّا مَا قُدِّرَ لَہٗ)) (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جسے سب سے زیادہ فکر آخرت کی ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور اس کے اُلجھے ہوئے کاموں کو سُلجھا کر اس کے دل کو تسکین دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل و خوار ہو کر آتی ہے (یعنی دنیا کا مال و متاع جو اس کی قسمت میں لکھا ہے بغیر کسی شدید مشقت کے آسانی سے اس کے پاس پہنچ جاتا ہے)۔ جو شخص دنیا کے عیش پر مر مٹنے کا فیصلہ کر چکا ہو، اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کو مسلط کر دیتا ہے (یعنی وہ محسوس کرتا ہے کہ میں لوگوں کا محتاج ہوں) اور اللہ تعالیٰ اس کے سلجھے ہوئے معاملات کو پراگندہ کر کے اُلجھا دیتا ہے (اس لیے وہ سکونِ قلب کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے) اور دُنیا کا رزق (زیادہ نہیں بلکہ) اسے صرف اتنا ہی ملتا ہے، جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

9 تا 15 ذوالقعدہ 1444ھ جلد 32
30 مئی تا 5 جون 2023ء شمارہ 21

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 20 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 800 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (14300 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (10800 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

G-20

جی 20 گروپ کا قیام 1999ء میں ہوا تھا جس کا مقصد معاشی معاملات پر رابطہ کاری تھا۔ 2007ء کے عالمی معاشی بحران کے بعد اس فورم کو 2008ء میں سربراہان مملکت کے اکٹھ کا بھی درجہ دے دیا گیا۔ جی 20 فورم کے ایجنڈے میں اب اقتصادی معاملات کے علاوہ تجارت، ترقی، صحت، زراعت، انرجی، موسمیاتی تبدیلی اور انسداد کرپشن کے موضوعات بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس فورم میں ہر سال ایک ممبر اپنے ملک میں اس کا اجلاس منعقد کرتا ہے۔ جی 20 میں 19 ممالک اور یورپی یونین شامل ہیں۔ ان ممالک میں ارجنٹائن، آسٹریلیا، برازیل، کینیڈا، چین، فرانس، جرمنی، انڈیا، انڈونیشیا، اٹلی، جاپان، میکسیکو، جنوبی کوریا، روس، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، ترکیہ، برطانیہ، اور امریکہ شامل ہیں۔ بھارت نے یکم دسمبر 2022ء کو جی 20 کی صدارت سنبھالی تھی اور یہ رواں برس پہلی بار جی 20 کے سربراہی اجلاس کی میزبانی انجام دے رہا ہے۔ بھارت ہمیشہ ایسے مواقع پر عالمی سطح پر بھرپور سیاسی مفادات سمیٹتا ہے۔ بھارت اس منصب پر 30 نومبر 2023 تک فائز رہے گا۔

ٹورازم کے فروغ کے لیے منعقد ہونے والے جی 20 کے اجلاس کے لیے بھارت نے اپنے تئیں یہ شاطرانہ چال چلی کہ اس کا اجلاس مقبوضہ کشمیر کے صدر مقام سری نگر میں رکھا جائے تاکہ جب دنیا کی سپر پاورز اور دیگر اہم ممالک کے مندوبین یہاں آکر شرکت کریں گے تو گویا وہ اس متنازع خطے کے بھارتی علاقہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دیں گے۔ کئی ہفتوں سے وادی کو فوجی قلعے میں تبدیل کر دیا گیا۔ فوجی و نیم فوجی دستے سری نگر کی سڑکوں پر سراغ رساں کتوں کے ساتھ گشت کرتے رہے۔ بے شمار شہریوں کو گرفتار اور نظر بند کر دیا گیا۔ شہریوں کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے مظاہروں سے دور رہنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ دنیا بھر سے تقریباً 61 غیر ملکی مندوبین اجلاس میں شرکت کے لیے سری نگر پہنچے۔ مقبوضہ کشمیر کے دارالحکومت سرینگر میں جی 20 کا تین روزہ اجلاس سخت سکیورٹی حصار میں شروع ہوا۔ جی 20 کے مندوبین نئی دہلی سے ایک خصوصی پرواز کے ذریعے سری نگر پہنچے۔ جی 20 کے مندوبین کے سری نگر پہنچتے ہی ان کے شیڈول میں تبدیلی کر دی گئی۔ بھارتی حکومت نے سکیورٹی خدشات کے باعث مندوبین کا سری نگر سے اکاون کلومیٹر شمال مغرب میں واقع صحت افزا مقام گلمرگ کا دورہ منسوخ کر دیا۔ پہلے شیڈول کے مطابق مندوبین 24 مئی کا پورا دن صحت افزا مقام گلمرگ میں گزارنے والے تھے۔ اس سے قبل انہیں اُسی روز ڈل جھیل کی سیر کرائی گئی اور پھر سری نگر کے مضافات میں واقع داچھی گام نیشنل پارک کی سیر کرائی گئی۔

وادیٔ کشمیر میں قیام کے دوران انہیں ایک تقریب میں کشمیر کی منفرد دستکاریوں اور دوسری مصنوعات سے متعارف کرایا گیا اور کلچرل پروگرامز میں انہیں مدعو کیا گیا۔ سری نگر میں ہونے والے اجلاس کے دوران توجہ کا مرکز فلم ٹورازم رہا، جسے فروغ دینے کے لیے بھارت کے زیر انتظام کشمیر کی انتظامیہ نے گزشتہ تین برس کے دوران کئی اقدامات اٹھائے ہیں۔ ورکنگ گروپ کے اس اجلاس کے دوران رکن ملکوں اور دیگر شرکاء کو فلموں کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لیے جنت نظیر کہلائے جانے والے کشمیر کا انتخاب کرنے کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی گئی۔ چین، سعودی عرب، ترکیہ نے اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا جبکہ مصر،

انڈونیشیا سمیت کئی ممالک کے نمائندے شریک نہیں ہوئے۔ ان ممالک نے انڈیا کے زیرِ انتظام کشمیر کے متنازع علاقے میں منعقد ہونے والے جی 20 ٹورازم اجلاس پر تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ چینی محکمہ خارجہ کے ترجمان نے بیان دیا کہ ''چین متنازعہ علاقوں میں جی 20 کا کوئی بھی اجلاس بلانے کی بھرپور مخالفت کرتا ہے اور ایسی کسی بھی میٹنگ میں شرکت نہیں کی جائے گی۔''

پاکستان نے سری نگر اور بھارت کے زیرِ انتظام کشمیر کے دو اور شہروں جموں اور لیہہ میں جی 20 کی تقریبات کے انعقاد پر اعتراض کیا۔ پاکستان کا کہنا تھا کہ جموں وکشمیر چونکہ ایک متنازع علاقہ ہے اس لئے بھارت یہاں اس طرح کے اجلاس اور تقریبات کا اہتمام کر کے اقوامِ متحدہ کی کشمیر پر قراردادوں، عالمی قوانین اور اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی صریحاً خلاف ورزی کر رہا ہے۔ پاکستان کا کہنا ہے کہ جموں وکشمیر ایک 'متنازع علاقہ' ہے اور اس اجلاس کو سری نگر میں منعقد کر کے انڈیا نے 'جموں وکشمیر کی بین الاقوامی متنازع حیثیت' کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ بھارت نے پاکستان کے اس اعتراض کے جواب میں کہا کہ جی 20 اجلاس پورے ملک میں ہو رہے ہیں اس لیے جموں وکشمیر اور لداخ میں ان کا انعقاد کوئی انہونی بات نہیں۔ اس لیے کہ پورا علاقہ بھارت کا ایک اٹوٹ اور ناقابلِ تنسیخ حصہ ہے۔

واضح رہے کہ بھارتی حکومت نے پانچ اگست 2019ء کو مقبوضہ کشمیر کی آئینی نیم خودمختاری کو ختم کر دیا تھا اور ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر کے انہیں براہِ راست وفاق کے کنٹرول والے علاقے بنا یا تھا، جسے متنازع ریاست کو ملک میں ضم کرنے کی طرف ایک بڑا اور اہم قدم خیال کیا جاتا ہے۔ کانفرنس کے انعقاد کیخلاف مقبوضہ اور آزاد کشمیر میں ہڑتال کی گئی۔ یورپ میں بھی مظاہرے ہوئے۔ آل پارٹیز حریت کانفرنس کی جانب سے دی جانے والی کال پر مقبوضہ کشمیر میں مکمل شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی۔ کشمیر میڈیا سروس کے مطابق کل جماعتی حریت کانفرنس نے سرینگر میں جاری ایک بیان میں کہا کہ جموں وکشمیر میں کوئی بھی بین الاقوامی تقریب علاقے کی زمینی صورتحال کو تبدیل نہیں کر سکتی جہاں گزشتہ سات دہائیوں سے زائد عرصے سے لوگوں کو اپنے حق خودارادیت کا مطالبہ کرنے پر بدترین ظلم وجبر کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کی رہنما اور کشمیری رہنما یاسین ملک کی اہلیہ مشعال ملک کا کہنا تھا کہ بھارت کے زیرِ اہتمام کشمیر میں جی 20 اجلاس منعقد کرنے کا کوئی قانونی جواز نہیں بنتا۔ انہوں نے کہا کہ جی 20 ممالک کو کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی بنیاد پر اجلاس سے بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ نیویارک میں کشمیری نژاد امریکیوں کی بڑی تعداد نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں جی 20 اجلاس کے خلاف اقوام متحدہ کے ہیڈکوارٹرز کے سامنے مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر مقررین نے کہا کہ اجلاس کے انعقاد کا مقصد اقوام متحدہ کی طرف سے اعلانیہ متنازعہ علاقے میں صورتحال کو معمول کے مطابق ظاہر کرنا ہے۔ سری نگر کے مختلف علاقوں میں بھارتی فوج نے دکانداروں کو طلب کر کے انہیں دکانیں کھولنے کی ہدایت کی۔ فورسز جی 20 اجلاس کے وفود کی سیکیورٹی کے نام پر گھروں پر چھاپے مارتی رہیں اور محاصرے اور تلاشی کی کارروائیاں کرتی رہیں۔ مقامی لوگوں نے میڈیا کو بتایا کہ بھارتی فوجی اہلکاران کے گھروں میں گھس کر خواتین اور بچوں سمیت مکینوں کو سخت ہراساں کرتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی ملک بھی اُس وقت تک ایک زوردار اور متاثر کن مؤقف اختیار نہیں کر سکتا جب تک وہ اقتصادی اور سیاسی طور پر ایک مضبوط ملک نہ ہو اور اپنے پیارے وطن پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ یوں تو عرصہ دراز سے اس کی حیثیت یہ ہے کہ نہ تین میں نہ تیرا میں لیکن گزشتہ ایک سال میں اقتصادی بدحالی اور بدترین سیاسی انتشار نے اس کا کچومر نکال دیا ہے۔ ایک سال میں شرح نمو 6% سے گرتی ہوئی صفر پر آیا چاہتی ہے۔ چند ماہ پہلے تک ہم کہتے تھے کہ ہماری حالت سری لنکا جیسی نہ ہو جائے۔ آج ہم کہتے ہیں کہ کاش ہم سری لنکا جیسے ہی ہو جائیں، کیونکہ اس وقت پاکستان خطے کا غریب ترین ملک ہے۔ اُس کے باوجود ہماری سیاسی جنگ جاری ہے۔ ایک مضحکہ خیز جمہوریت ہم پر مسلط ہے۔ قومی اسمبلی میں حکومتی بندہ اپوزیشن لیڈر ہے۔ ٹارگٹڈ قانون سازی ہو رہی ہے۔ عدلیہ کا حال یہ ہے کہ چیف جسٹس آف پاکستان کہتے ہیں کہ اُنہیں اُن کا گھر جلانے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ پنجاب اسمبلی کے الیکشن کے حوالے سے چیف جسٹس کی بے بسی قابل دید ہے۔ نظر ثانی کیس دیوانی کیس کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ لطیفہ بھی ہوا ہے کہ جج ملزم کو ضمانت پر رہا کرنے پر کہہ رہا ہے ''میں نے تمہاری رہائی کا حکم دے دیا ہے لیکن جب تک تم پریس کانفرنس نہیں کرو گے تمہیں یہ لوگ چھوڑیں گے نہیں۔'' اس پر جن ممالک کو بنانا ری پبلک کا طعنہ دیا جاتا ہے وہاں کے باشندے نیچے آنکھیں کر کے ہنستے ہوں گے اور اپنے آئینی اور قانونی ہونے پر فخر کرتے ہوں گے۔

اس پس منظر میں جب پاکستان جی 20 اجلاس کے سری نگر میں انعقاد پر اعتراض کرے گا تو وہ ایک مذاق ہی سمجھا جائے گا۔ بہرحال ایسا نہیں ہے کہ پاکستان آج جس حال کو پہنچا ہے وہ کسی ایک حکومت کا کارنامہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے جسے نہ ماننا ڈھٹائی ہوگی کہ آخری سال آخری حد کراس کر گیا۔ اس صورتِ حال میں پاکستان درج ذیل شعر کے پہلے مصرعہ کے مصداق اور بھارت دوسرے مصرعہ کے مصداق نظر آتا ہے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

پاکستان کی سلامتی کے لیے جمہوری تسلسل ضروری ہے تاکہ بیرونی قوتوں کو ہمیں نقصان پہنچانے کا موقع نہ ملے۔

حقیقت میں پاکستان کی بقاء اور استحکام کے لیے اسلام کا نفاذ ضروری ہے جس کی بنیاد پر یہ بنا تھا۔

ہمیں منکرات کے درمیان رہتے ہوئے اپنی عبادات پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے

کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیے بغیر نجات ممکن نہیں

قیامت سے قبل کُل روئے زمین پر بتمام وکمال اللہ کا دین غالب ہوگا۔ اُمت اس کی طرف کشاں کشاں جا رہی ہے۔

امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ کے رفقائے تنظیم واحباب کے سوالوں کے جوابات

میزبان: آصف حمید

سوال: آپ پاکستان کی سیاسی صورت حال کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ نیز اس کو بہتر بنانے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جا سکتا ہے؟ (سید عمر بن ماجد)

امیر تنظیم اسلامی: پاکستان کی سیاسی صورت حال میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیاستدانوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی عروج پر ہے۔ سیاسی اختلاف ہونا الگ شے ہے مگر اس کو دشمنی میں بدل دینا، ذاتیات پر اُتر آنا، یہاں تک کہ اخلاقی حدود کا پامال کر دیا جانا اور ایسی زبان استعمال کرنا کہ شرفاء گھر میں بیٹھ کر نہ سن سکیں، یہ سب نہیں ہونا چاہیے تھا مگر ہم اس سے بھی آگے جا چکے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انانیت اور ذاتیات کے معاملات اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ ملک اور قوم کے وسیع تر مفاد کے لیے ہم کوئی لچک دکھانے کو تیار نہیں ہیں۔ گزشتہ دنوں حکومت اور اپوزیشن میں مذاکرات کی ہم نے تائید کی تھی کیونکہ پاکستان کی سالمیت کو جو خطرات لاحق ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اتفاق رائے سے آگے بڑھا جائے۔ سب کی رائے ہے کہ انتخابات ہونے چاہئیں لیکن کوئی فوری کروانا چاہتا ہے اور کوئی تھوڑی دیر کے بعد، اتفاق رائے سے ایک وقت کا تعین کر لینا چاہیے تاکہ جمہوری نظام چلتا رہے۔ اس حوالے سے ہماری رائے دو اعتبارات سے ہے۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے تھے کہ ایک ہمارا جسم ہے اور ایک روح ہے۔ جس طرح جسم کو برقرار رکھنے کے لیے آکسیجن، غذا، پانی وغیرہ ضروری ہوتے ہیں اسی طرح روح کے لیے ایمان اور اس کے تقاضوں پر عمل ضروری ہے تاکہ ہم آخرت میں کامیاب ہو سکیں، جہنم کی آگ سے بچ سکیں۔ بعینہ یہی صورت حال پاکستان کی ہے جس کی سالمیت کے لیے جمہوریت ضروری ہے تاکہ ملک میں انتشار اور خانہ جنگی نہ ہو، معاملات چلتے رہیں، خاص طور پر بیرونی طاقتوں کو ہمیں نقصان پہنچانے کا موقع نہ ملے۔ لیکن اس کے استحکام اور بقاء کے لیے اسلام کا نفاذ ضروری ہے۔ پاکستان واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔

مرتب: محمد رفیق چودھری

مختلف علاقوں، ثقافتوں، زبانوں اور نسلوں کے لوگ اسلام کی بنیاد پر جمع ہو کر پاکستانی قوم بنے۔ یہ نظریہ جب کمزور پڑا تو 1971ء میں ملک دولخت ہو گیا۔ اسی طرح اب بھی پاکستان کی بقاء کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو بطور دین یعنی نظام نافذ کیا جائے۔ یہ کام ہوگا تو اللہ کی مدد بھی ہمیں حاصل ہوگی۔ بقول اقبال ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

جب تک اسلام کا نظام قائم نہیں ہو جاتا ہم چاہتے ہیں کہ جمہوری نظام چلتا رہے۔ جہاں پر ایک درجے میں اظہار رائے کی بھی آزادی ہوتی ہے۔ جو تنقید کرنا چاہے گا وہ تنقید بھی کرے گا اور جو دین کی دعوت کا کام کرنا چاہے گا وہ بھی کر سکے گا۔ جو اقامت دین کی جدوجہد کرنا چاہے گا اس کے لیے بھی مواقع موجود ہوں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آئین اور قانون پر عمل درآمد ہو۔ ہمارے آئین میں کتاب وسنت کی بالادستی کا ذکر بھی ہے گویا کہ ہم نے آئین کو کلمہ پڑھا رکھا ہے لیکن بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ کچھ چور دروازے بھی اس میں موجود ہیں جن کی ہم نفی کرتے ہیں۔ لیکن باہمی سر پھٹول کا معاملہ، اخلاقیات کو پامال کرنا، ذاتی دشمنیاں نکالنا، انانیت وغیرہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ لچک دکھا کر مذاکرات کے ذریعے کوئی راستہ اختیار کر لیا جائے تاکہ موجودہ ہیجانی کیفیت کا سلسلہ ختم ہو۔ البتہ منافقانہ طرز عمل نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث میں منافق کی چار علامات بیان ہوتی ہیں۔ جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور گالم گلوچ۔ یہ آج ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے جو ہمارے سیاستدانوں، سرمایہ داروں اور عوام میں نظر آئے گا۔ بدقسمتی سے بعض اوقات ہمارے دینی سیاسی حضرات کی زبان بھی ایسی ہو جاتی ہے جس کی دین اجازت نہیں دیتا لیکن یہ سارا کچھ ہو رہا ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں علیحدہ ملک عطا فرمائے گا تو ہم تیرے دین کو نافذ کریں گے مگر ملک بننے کے بعد ہم نے اللہ کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کی، اسلام کے نظام کے قیام کی طرف پیش رفت تو دور کی بات ہے، ہم نے پہلے ریورس گیئر لگائے اور اب تو ہم باغیانہ سرکشی کی روش پر آ گئے اور ایسے ایسے قوانین بنائے جا رہے ہیں جو شریعت کے احکامات کے عین خلاف ہیں۔ بہرحال سیاسی انتشار ہو، معاشی تباہی ہو، اخلاقی زوال ہو، ان سب مسائل کی اصل وجہ ایمان کے تقاضوں پر عمل پیرا نہ ہونا ہے۔ جب ہم اسلام کو قائم کرنے کی طرف پیش رفت نہیں کریں گے تو ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکیں گے۔ چنانچہ تنظیم اسلامی انتخابی سیاست کا حصہ نہیں بنتی مگر وہ سیاست پر کلام کرتی ہے، تبصرے کرتی ہے، نصح وخیر خواہی کے جذبے کے ساتھ مشورے بھی دیتی ہے۔ معاملات کے سدھار کے لیے لوگوں سے درخواست بھی کرتی ہے تاکہ ملکی سالمیت قائم

رہے۔لیکن ہم انقلابی جدوجہد کے پیش نظر منہج انقلاب نبوی ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے تحریک کے راستے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف عمل ہیں اور اسی کی دعوت دے رہے ہیں۔

سوال: کیا تنظیم اسلامی پی ٹی آئی یا کسی بھی سیاسی جماعت کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے؟

امیر تنظیم اسلامی: تنظیم اسلامی کے تحت حالات حاضرہ کے تناظر میں پریس ریلیز جاری کی جاتی ہے، خطاب جمعہ میں بھی کلام ہوتا ہے، پالیسی سٹیٹمنٹ جاری ہوتی ہے، ٹوئیٹس کیے جاتے ہیں۔ حالات حاضرہ میں معاشی مسائل، دہشت گردی پر بھی ہم کلام کرتے ہیں۔ اگر حکمرانوں کی طرف سے کوئی خیر کی بات آئے گی تو تعاونوا علی البر والتقوی کے اصول کے تحت ہم اس کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر وقت کے حکمرانوں کے بیانات یا اعمال شریعت کے خلاف ہوں تو نصح وخیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے اصول کے تحت ان کو متوجہ کیا جائے۔ اللہ ہمیں یہ توفیق دے کہ ہمارا اس مؤقف کو پیش کرنے کا انداز ناصحانہ ہو، وہ مطلق انداز جو ایک سیاسی گفتگو کا ہوتا ہے وہ نہ ہو۔ اللہ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ کچھ لوگ لاعلمی میں یہ سمجھتے ہیں کہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ سیاست کے بارے میں بات ہی نہیں کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحبؒ کی وجہ شہرت خدمت قرآنی اور اقامت دین کی جدوجہد ہے لیکن ساتھ ساتھ حالات حاضرہ، سیاسی صورتحال اور بین الاقوامی اور ملکی حالات کے بارے میں بھی ان کے بیانات ریکارڈ ہوتے تھے۔ البتہ ڈاکٹر صاحبؒ کا خیال تھا کہ انتخابات کے ذریعے کبھی بھی تبدیلی نہیں آسکتی۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اس وقت بھی ٹی وی پر آکر گفتگو کی اور اس وقت انہوں نے کیمرہ استعمال کیا جب بہت سے دینی حضرات اس کے حق میں نہیں تھے۔ الحمدللہ ان کا ماضی کا بہت بڑا ورثہ آج ڈیجیٹل لیول پر دستیاب ہے اور موجودہ سوشل میڈیا کے دور میں جتنے لوگ ان کو سن رہے ہیں غالباً ان کی زندگی میں اتنے لوگوں نے ڈاکٹر صاحبؒ کو نہیں سنا ہوگا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ صرف ان کے دروس سنتے ہوں اور انہوں نے ان کے سیاسی تجزیے نہ سنے ہوں تو اس وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہوں۔ ڈاکٹر صاحبؒ خطاب جمعہ میں حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے تھے اور بعض اوقات پورا خطاب ہی حالات حاضرہ پر ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے ان کے ان بیانات کو سنا ہے وہ بھی اس بات کی گواہی دیں گے کہ وہ سارا بیان بھی نصح وخیرخواہی کے جذبے کے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر یہ کہ ان کا بیان قرآن، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ہوتا تھا۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹر صاحبؒ کے ماضی کے حالات حاضرہ پر مشتمل خطابات کو سنیں۔ ہمارا دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے تو کیا ہم سیاست کو دین سے مائنس کر سکتے ہیں۔ اقبال نے فرمایا تھا ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں انتظام چلانا۔ شاہ ولی اللہؒ کی کتاب ''حجۃ البالغۃ'' میں سیاست مدن کے عنوان سے ایک پورا باب ہے۔ دین سیاست کے حوالے سے پوری راہنمائی دیتا ہے لہٰذا دین کا ایک داعی اور دین کا درد رکھنے والا بندہ جو دین کے لیے جدوجہد کر رہا ہے وہ کیسے اپنے آپ کو حالات حاضرہ سے علیحدہ کر دے گا۔ وہ تو چاہے گا کہ ان لوگوں تک اس کی بات پہنچے جن کو اللہ نے کچھ اختیار دے رکھا ہے، ممکن ہے بعض اوقات ایسا کلام کسی سیاسی جماعت یا اس کے رہنما کے حق میں جائے گا اور کبھی اس کے خلاف بھی بات ہوگی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دین کے داعی نے اگر کسی سیاستدان کے اچھے کام کی تعریف کی ہے تو وہ لازماً اس کی پارٹی کا ہوگا اور جس کے برے کام پر تنقید کی ہے تو اس کا مخالف ہوگا۔ اس معاملے کو بھی تھوڑا ٹھنڈے دل سے دیکھنا چاہیے۔ رائے میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ خود فرماتے تھے کہ آپ میری سیاسی آراء سے اختلاف رکھ سکتے ہو اور ان پر تبصرہ بھی کر سکتے ہو، تنقید بھی کر سکتے ہو اور لوگ کرتے تھے۔ بعض مرتبہ ڈاکٹر صاحبؒ اپنی رائے سے رجوع بھی فرماتے تھے۔ پی ٹی آئی کے حوالے سے بھی ہمارا اصول وہی ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون اور برائی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر اسرار صاحبؒ برسوں سے کہہ رہے تھے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن امریکہ ہے۔ اب اگر عمران خان کی طرف سے یہ بات آئے اور ہم بھی بات کو دہرا دیں کہ ہمیں امریکہ کی مخالفت کرنی چاہیے۔ اس پر کوئی کہے کہ تنظیم اسلامی PTI کی حمایت کر رہی ہے تو یہ اس کی اپنی سوچ ہے۔ اسی طرح ہم برسوں سے سود کے خلاف مہم چلا رہے ہیں اور وفاقی شرعی عدالت نے سود کے خلاف فیصلہ دیا۔ اگر وزیراعظم شہباز شریف اور وزیرخزانہ اسحاق ڈار کا بیان آئے کہ ہم سود کے خاتمے کے لیے کوشش کریں گے تو یہ ہمارے دل کی بات ہے جس کی ہم تائید کریں گے۔ لیکن اگر لوگ سمجھیں گے کہ آپ نے شہباز شریف کی حمایت کر دی تو یہ ان کی سوچ ہے۔ اس طرح عمران خان نے یو این او میں اسلاموفوبیا کے مسئلے کو اٹھایا جس کی ہم نے تائید کی۔ اگر نواز شریف ایسا کرتے تو ہم اس کی بھی تائید کرتے۔ خدا کی قسم! ہمیں دین چاہیے، چاہے کوئی بھی نفاذ کے لیے کام کرے۔ ہم نے عمران خان سے ملاقات کی تھی اس پر بھی لوگوں نے باتیں بنائی تھیں۔ لیکن اس ملاقات میں ہم نے عمران خان سے کہا تھا کہ آپ ریاست مدینہ کا نام لیتے ہیں لیکن آپ کے جلسوں میں کیا ہو رہا ہوتا ہے؟ یعنی اگر کوئی اچھا کام کرے گا تو ہم اس کی تحسین کریں گے لیکن اگر آپ کے جلسوں میں ڈانس ہو اور گانے بجیں تو ہم اس کی مذمت کریں گے اور ہم نے مذمت کی۔ اگر دینی سیاسی جماعت کے لوگ بھی نازیبا زبان استعمال کریں گے تو ہم اس کی بھی مذمت کریں گے۔ اس سارے تناظر میں ہم کھلے دل سے کہتے ہیں کہ اگر ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرما رہے ہیں کہ میرے سیاسی تبصروں سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں تو ہم اس اختلاف کے ساتھ چل سکتے ہیں۔ ہمارا اتفاق اس بات پر ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کو ہم فرض سمجھتے ہیں۔ خود اللہ کی بندگی کرنا، بندگی کی دعوت دینا، بندگی والا نظام قائم کرنے کی جدوجہد کرنا، اس کے لیے منہج مصطفی ﷺ کو سامنے رکھنا اور بیعت کی بنیاد پر جماعت قائم کرنا اور نفاذ اسلام کے لیے تحریک چلانا ہمارا بنیادی مشن ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت تو دور کی بات ہے، ہم نے پہلے تو ریورس گیئر لگائے اور اب ہم باغیانہ سرکشی کی روش پر آ گئے اور ایسے ایسے قوانین بنائے جا رہے ہیں جو شرعی احکامات کے عین خلاف ہیں۔

سوال: لوگ ریاست مدینہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں خلافت اسلامیہ کا لفظ کیوں نہیں استعمال کرتے؟

امیر تنظیم اسلامی: جب ریاست مدینہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو غالباً بعض لوگوں کے ذہن میں مدینہ شریف کی نسبت ہوتی ہے۔ جیسے بعض لوگ نظام مصطفی ﷺ بھی کہتے ہیں تو ریاست مدینہ بھی کہا جا سکتا ہے اور خلافت

اسلامیہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے ایک اصول ذہن میں رکھیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے منہج انقلاب نبوی ﷺ کے ذیل میں اس کی وضاحت کی ہے۔ جب ہم اسلامی انقلاب کہیں گے تو مراد یہ ہوگی کہ حاکمیت اللہ کی ہو، کتاب وسنت کی بالادستی ہو اور کوئی قانون کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ ان اصولوں کے مطابق نظام چلا لیں اور اس کو اسلامی انقلاب کہہ لیں، اسلامی نظام کہہ لیں یا جو بھی نام دے دیں۔ البتہ خلافت قرآنی اصطلاح ہے جس کو ہمارے خلفاء نے استعمال بھی کیا۔ اس کو ہمیں پروموٹ کرنا چاہیے۔ بس ایک خیال رہے کہ اگر کبھی کسی اصطلاح کے استعمال کے ذیل میں شبہات آ سکتے ہوں تو اس کا ہمیں جواب دینا چاہیے۔ کیونکہ بعض لوگوں نے لفظ خلافت کو بھی بدنام کر ڈالا تو کبھی کبھی ہمارے مسلمان بھائی بھی کہہ دیتے ہیں کہ اچھا ہے کہ یہ لفظ استعمال نہ کریں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم استعمال نہ کریں تو کیا قرآن سے بھی ہٹا دیں گے؟ قرآن میں ارشادات موجود ہیں کہ:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط﴾ (البقرہ: 30) ''اور یاد کرو جب کہ کہا تھا تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔''

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور: 55)

''اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا۔''

البتہ اگر کوئی اصطلاح کتاب وسنت والی نہیں ہے، اس کو استعمال نہ کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ یہی معاملہ ریاست مدینہ کی اصطلاح کے استعمال میں ہے۔ اگر کوئی ریاست مدینہ سے یہ مراد لیتا ہے کہ وہاں یہودیوں کا قانون بھی چل رہا تھا اور ہمارا بھی چل رہا تھا تو اس سے کوئی مسلمان اتفاق نہیں کرے گا۔ لیکن اگر کوئی ریاست مدینہ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا چاہتا ہے تو وہ ریاست مدینہ کی اصطلاح استعمال کرے لیکن اس کی پوری وضاحت ضروری ہوگی کہ اس سے مراد کیا ہے۔

سوال: سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت کے مطابق قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے۔ جبکہ ہدایت کی ضرورت تو گمراہ کو ہوتی ہے متقی تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت فرما دیں؟ (حافظ طیب، وزیر آباد)

امیر تنظیم اسلامی: اس سے ملتا جلتا سوال ایک ہندو نے ڈاکٹر صاحبؒ سے کیا تھا کہ قرآن ایک جگہ کہتا ہے: (ھدی للناس) قرآن لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ لیکن دوسری جگہ یہ بھی فرماتا ہے: (ھدی للمتقین) قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے تو کیا قرآن انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا متقین کے لیے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ Potentially قرآن پاک سب کے لیے ہدایت ہے مگر یہ ہدایت ملے گی اُسی کو جس کے دل میں تھوڑا بہت بھی رب کا خوف، تقویٰ، ڈر ہوگا۔ جیسے سورج کی روشنی سب کے لیے ہے جو چاہے فائدہ اٹھائے لیکن جو کھڑکیاں دروازے بند کر لے تو اس کو روشنی نہیں ملے گی۔ اسی طرح قرآن کی روشنی تو موجود ہے جو چاہے فائدہ اٹھائے اگر دل کا سوئچ آف ہو تو وہ محروم رہے گا۔ ابولہب کا آف تھا تو ہدایت نہیں ملی۔ لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا آن تھا تو اللہ نے حضور ﷺ کے قدموں میں پہنچا دیا۔ یہاں سوال یہ پوچھا گیا ہے کہ ہدایت کی ضرورت تو گمراہوں کو ہوتی ہے متقین تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ یہاں ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کس درجے کی ہدایت مطلوب ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ جنت والوں کا ترانہ حمد بیان فرماتا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف﴾ (الاعراف: 43)

''اور وہ کہیں گے کل شکر اور کل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔''

یعنی ہدایت وہ مطلوب ہے جو ہمیں جنت تک پہنچا دے۔ یعنی وہاں پہنچنے تک ہم ہدایت کے محتاج ہیں۔ ہمارے انتہائی سینئر رفیق تنظیم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحبؒ بڑا پیارا نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ میں ہم دعا کرتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾

قرآن اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعے دیا اور ہدایت ہم تک حضور ﷺ کے ذریعے پہنچی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٢﴾﴾ (الشوریٰ) ''اور آپ یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔''

جانیں دیے بغیر اور قربانیاں دیے بغیر اگر اللہ کا دین غالب ہو سکتا تو محمد مصطفی ﷺ کا ایک قطرہ بھی خون اللہ بہنے نہ دیتا لیکن آپ ﷺ کا خون طائف اور احد میں بہا۔

حضور ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو آخری نماز کی آخری رکعت میں بھی حضور ﷺ نے یہ دعا تلاوت کی ہوگی کہ:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾

جن کے ذریعے یہ ہدایت پہنچی وہ اگر اتنی دعا کر رہے ہیں تو ہم گناہگاروں کو ہدایت کے لیے کتنی دعا کی ضرورت ہوگی۔ اگلی بات یہ ہے کہ تقویٰ کے بھی درجات ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ المائدہ کا مقام بہت اہم ہے۔ جہاں تین مرتبہ تقویٰ کا ذکر آیا ہے:

﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ط﴾ (آیت: 93)

''جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں' پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں۔''

ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کو حدیث جبرائیل سے جوڑا اور اسلام، ایمان اور احسان کا ذکر کر کے اس آیت کی تشریح بیان فرمائی۔ گویا تقویٰ کے بھی درجات ہیں۔ پھر سورۃ محمد میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾﴾ ''اور وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں اللہ نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔''

یعنی متقین کو بھی مزید تقویٰ اور مزید ہدایت کی ضرورت ہے تا آنکہ اللہ اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل فرما دے۔

سوال: پاکستان میں منکرات کے درمیان رہ کر صرف عبادت اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ اس طرح کہیں ہمارا انجام بھی دینی حمیت سے محروم اس متقی اور پرہیزگار جیسا نہ ہو جائے جس پر نافرمانوں سے زیادہ اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ آپ کے بقول پاکستان میں اقامت دین کے لیے ٹکراؤ موزوں نہیں۔ پاکستان میں کوئی بدر برپا کرنا اگر ممکن نہیں تو ان منکرات سے دور جا کر کسی صحرا میں پناہ گزین ہونا بھی ممکن نہیں۔ کیا پاکستانیوں کے پاس ان منکرات کے

درمیان بے غیرت بن کر رہنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟ (امۃ الاحد صاحبہ)

امیر تنظیم اسلامی: یہ ایک بہن کی طرف سے بہت اچھا سوال ہے۔ اس لیے کہ دین کے قیام کی جدوجہد میں اصلاً باہر کی ذمہ داری مردوں پر ہے لیکن بعض مرتبہ مائیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے بیٹوں کو اس مشن کے لیے تیار کرتی ہیں اور کبھی بیویاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے شوہروں کو تیار کرتی ہیں اور کبھی بہنیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے بھائیوں کو تیار کر رہی ہوتی ہیں۔ جہاں تک ٹکراؤ کی بات کی ہے تو اس وقت ہم مسلمان معاشرے میں ہیں جہاں حکمران یا صاحب اختیار لوگ کلمہ گو مسلمان ہیں۔ یہ مسئلہ خروج کا معاملہ ہے اور مسئلہ خروج پر آج صرف تنظیم اسلامی ہی کلام نہیں کرتی بلکہ اس پر ہمارے اسلاف نے بھی کلام کیا ہے۔ انہی آراء کی روشنی میں ہم بیان کرتے ہیں کہ مسلم معاشرے میں اقدام جب ٹکراؤ کی سطح پر آئے گا تو یہاں مسلح تصادم موزوں نہیں ہے۔ اس لیے کہ قتال کی شرائط پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔ دوسری بات، جب اقدام کا مرحلہ آئے گا تو ہم جان لیں گے نہیں البتہ جان دینے کے لیے ہم تیار ہوں گے۔ جانیں دیے بغیر اور خون بہائے بغیر اگر اللہ کا دین غالب ہو جاتا تو خون محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک قطرہ بھی اللہ بہنے نہ دیتا لیکن آپ ﷺ کا خون طائف اور احد میں بہا۔ بہرحال مسلم معاشرے میں ہم اقدام کے اس مرحلے میں جان دینے کی بات کرتے ہیں جان لینے کی بات نہیں کرتے۔ البتہ اس مرحلہ تک جماعت کی تیاری ہمارے پیش نظر ہے۔ درحقیقت منکرات کے درمیان میں رہ کر اپنی عبادات پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ غالباً اس حوالے سے انہوں نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ اس طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ فرشتہ واپس آ کر کہتا ہے کہ اے اللہ! وہاں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے میں بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا کہ اس بستی کو پہلے اس پر الٹو پھر دوسروں پر کیونکہ ہماری نافرمانیاں ہوتی رہیں اور اس کے چہرے کا رنگ بھی تبدیل نہیں ہوا۔ یہ حدیث ڈاکٹر صاحبؒ سورۃ العصر کے درس میں بیان کرتے تھے۔ سبق یہ ہے کہ ہمیں برائیوں سے مصالحت نہیں کرنی۔ رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں رہتے ہوئے بتوں کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی 23 سالہ جدوجہد میں 21 ویں برس جا کر بتوں کو توڑا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے بتوں کو غلط کہا ہے، منکر کو منکر کہا ہے اور انہیں ایک لحظہ کے لیے بھی قبول نہیں کیا۔ اگر مصالحت کی آفر آئی بھی تو آپ ﷺ نے لکم دینکم ولی الدین کا قرآنی حکم سنا دیا۔ حاصل کلام یہ کہ ہمیں اپنی ذات کی فوری فکر کرنی ہے، اپنے دائرہ کار کی فکر کرنی ہے اور اپنے اس معاشرے کے اندر جہاں تک ہمارا بس چلتا ہے وہاں تک ہم مکلف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم بدی کو دیکھو تو ہاتھ سے بدل دو، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے تو زبان سے بدلنے کی کوشش کرو اور اگر اس کا بھی اختیار نہیں تو دل میں برا جانو لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہوگا۔ اگر مفاہمت شروع ہوگئی تو پھر منکرات کو برا کہنا تو دور کی بات ہے بلکہ بندے خود منکرات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جیسے کہ حدیث میں بنی اسرائیل کا ذکر آتا ہے کہ وہ اول اول منکرات سے روکتے تھے، اس کے بعد روکنا چھوڑ دیا، انہی کے ساتھ رہتے تھے، کھاتے پیتے تھے اور پھر ان کے دل ان کی طرح ہوگئے جیسے وہ منکرات میں مبتلا تھے اسی طرح یہ بھی ہوگئے۔ آج اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے بدی کو روکنے کی طاقت تو ہے، دعوت دین کے مواقع ہیں، جماعت سازی، کردار سازی، جماعت کو منظم کرنے کے مواقع ہیں۔ معاشرے میں لاکھوں کروڑوں افراد تک دین کو پہنچانے کے مواقع ہیں۔ یہ جو بس میں ہے ہم اتنے کے ہی مکلف ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:286)

''اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔''

جو بس میں ہے وہ کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ وہ دن بھی عطا فرمائے گا جو بظاہر ہمارے بس میں نظر نہیں آ رہا۔ مسلمانوں کے معاشرے میں اگرچہ بدر تو نہیں سج سکتا لیکن فضائے بدر تو پیدا کی جا سکتی ہے۔ بقول اقبال

> **فرد کے پیش نظر تو اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات ہونی چاہیے۔ ہم کسی جماعت میں بھی اسی لیے شامل ہوں کہ اقامت دین کی جدوجہد میں یہ دو نتائج برآمد ہوسکیں۔**

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

مگر بدر میں جو 313 کھڑے ہوئے تھے وہ پہلے مکہ مکرمہ میں قرآن کے ذریعے تیار ہوئے تھے۔ یعنی مکی دور کا جہاد قرآن کے ذریعے سے ہوا تھا۔ اگر اس کو بائی پاس کر کے ہم کوئی بدر برپا کرنا چاہیں گے تو یہ سنت رسول ﷺ سے مطابقت نہیں۔

سوال: اگر کوئی تحریک 30 یا 40 سال میں اپنے اہداف حاصل نہ کر سکے تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔ کیا تنظیم اسلامی اس سے مستثنیٰ ہے؟ (شارق عبداللہ، کراچی)

امیر تنظیم اسلامی: اگر وسیع تر تناظر میں دیکھیں تو اللہ کے دین کے لیے محنت ایک مستقل عمل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ کا کتابچہ ہے: تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر، جس میں سابقہ امت مسلمہ بنی اسرائیل اور موجودہ امت کا ایک موازنہ اور تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اس کے ذیل میں ڈاکٹر صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا کہ دین کا احیاء اب ہونا ہے۔ یعنی گولڈن دور رسول اللہ ﷺ کا دور اور خلفائے راشدین کا دور ہے۔ مگر قیامت سے قبل پوری زمین پر بتمام وکمال اللہ کا دین غالب ہوگا۔ اُمت اس کی طرف کشاں کشاں جا رہی ہے۔ ابھی اس میں بہت سے نشیب وفراز آنے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ احیاء کا عمل اتنا وسیع اور بسیط ہے کہ جس میں افراد اور جماعتیں تو چھوٹی بات ہے، تحریکیں بھی کھپتی چلی جائیں گی اور احیاء کا عمل تدریجاً آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ پھر ڈاکٹر صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم آج اور کل اپنے اپنے دور میں دیکھیں گے کہ مختلف گوشوں میں مختلف جماعتیں کام کر رہی ہیں اور کبھی کبھی ان کا کام ایک دوسرے کے بالکل متضاد نظر آئے گا لیکن جب آپ پورے کینوس کو دیکھیں گے تو ہر شے آپ کو اپنی جگہ فٹ نظر آئے گی۔ بہرحال اگر ہم اس پورے احیائی عمل کو دیکھیں تو شاید صدیاں کھپ جائیں گی۔ واللہ اعلم! آپ نے سوال میں لفظ تحریک استعمال کیا۔ میں تھوڑا سا فرق کروں گا۔ تنظیم اسلامی ایک جماعت ہے اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے تئیں ایک ایسی جماعت کو تیار کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو انقلابی جدوجہد کے ذریعے اللہ کے دین کو اولاً پاکستان اور بالآخر پوری دنیا میں غالب کرے۔ اس منہج کے حوالے سے آپ حضور ﷺ کے

دور کو دیکھیں تو دو بڑے بڑے ادوار نظر آتے ہیں۔ ایک مکی دور ہے جس میں جماعت تیار ہوئی اور ایک مدنی دور ہے جہاں پر باقاعدہ ٹکراؤ کا عمل شروع ہوا۔ اس ٹکراؤ کو تھوڑی دیر کے لیے فرق کرنے کے اعتبار سے ہم اقدام اور تحریک کہہ لیتے ہیں تو وضاحت ہو جائے گی کہ ایک جماعت تیار ہو گئی، تب وہ نظام سے ٹکرانے کے لیے تحریک کا آغاز کرے گی۔ ان شاء اللہ۔ جہاں تک جماعتوں کے بوڑھا ہونے کا سوال ہے تو ظاہری بات ہے جب نتیجہ سامنے نہیں آتا تو بندے اور جماعت بے تاب ہو جاتے ہیں اور پھر وہ دائیں بائیں کے کاموں میں لگ جاتے ہیں جیسے کہ آپ نے خدمت خلق کی بات کی یا رسومات کی اصلاح کے کام میں لگ جانا۔ اس پر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کو اپنے اصل مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ فرد کے پیش نظر تو اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات ہے۔ جماعت اسی لیے بنائی جاتی ہے اور ہم جماعت میں اسی لیے شامل ہوتے ہیں تاکہ ہم اپنے اقامت دین کی جدوجہد والے فریضے کو بھی انجام دے سکیں۔ یہ مقصد پیش نظر رہے گا تو بندے مضطرب نہیں ہوں گے اور نہ جماعتیں بوڑھی ہوں گی ورنہ بڑھاپا تو دور کی بات ہے پھر جماعت موت کا شکار ہو جائے گی۔ اس سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سوال: اگر میں ایک شخص کو ایک لاکھ روپے بطور قرض دوں جس کو اس نے ایک سال کے بعد واپس کرنا ہو اور ایک سال کے بعد ملک میں مہنگائی میں دس فیصد اضافہ ہو گیا تو اس صورت میں واپس ملنے والی رقم ایک لاکھ کی بجائے نوے ہزار رہ گئی۔ ایسی صورت میں کہوں کہ میں میرا نقصان پورا کیا جائے تو مجھے مزید ملنے والا دس ہزار سود کہلائے گا؟ (شکیل زاہد)

امیر تنظیم اسلامی: اس کا ایک بہت سادہ سا جواب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کل روپے کی قدر بڑھ جائے تو کیا آپ لاکھ کی بجائے نوے ہزار لینا گوارہ کریں گے؟ فوراً جواب آئے گا کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے کہ مسئلہ روپے کی قدر نہیں بلکہ مسئلہ لالچ کا ہے کہ آپ کو کچھ ملنا چاہیے۔ اگر آپ کو کچھ چاہیے ہے تو پھر آپ بزنس کریں۔ اللہ کیا فرماتا ہے:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط﴾ (البقرۃ:275)

''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام ٹھہرایا ہے۔''

اس کے لیے بہتر راستہ تجارت ہے۔ البتہ ایک نکتہ اہل علم نے بیان فرمایا کہ آپ یہ کر سکتے ہیں کہ آپ کسی کو قرض دے رہے ہیں تو سونے کو معیار بنا لیں کہ میں تمہیں آج دس گرام سونا دے رہا ہوں اور تم ایک سال کے بعد دس گرام سونا یا اس کی رقم مجھے لوٹانا۔ اس کی تو گنجائش بنتی ہے کیونکہ آپ نے اس کو ایک commodity standard کے ساتھ نتھی کر دیا۔

سوال: آپ ہر سال دورۂ ترجمہ قرآن QTV پر کرتے ہیں، مجھے اس چیز سے اختلاف ہے۔ میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی شخص کی زندگی چینلز پر قرآن سن کر بدلی ہو۔ بند کمروں میں یہ ریکارڈنگ ہوتی ہے ان میں ویسے بھی تاثیر نہیں ہوتی۔ تنظیم کو چاہیے کہ وہ اچھی اور پائیدار ریکارڈنگز خود کرے اور چینلز پر مہیا کرے۔ کیا ٹی وی چینل پر دیئے گئے دروس قرآن زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں یا سامعین کے سامنے؟ (محمد رفیق، کراچی)

امیر تنظیم اسلامی: الحمدللہ! تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام پاکستان بھر میں کم وبیش 100 مقامات ہیں جہاں دورۂ ترجمہ قرآن یا خلاصہ مضامین قرآن کے پروگرامز ہوتے ہیں اور ان میں حاضرین موجود ہوتے ہیں۔ میرا گمان ہے کہ کراچی شہر میں ان پروگراموں میں تقریباً پندرہ سے بیس ہزار لوگ موجود ہوتے ہیں۔ ہم نے وہ پروگرام بند نہیں کیے۔ تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر دوں میں نے بھی بیس سال ایسے ہی دورۂ ترجمہ قرآن کرایا ہے۔ الحمدللہ! پھر کورونا وائرس کی وبا آ گئی۔ کورونا میں تو فزیکلی نماز نہیں ہو رہی تھی تو دورۂ ترجمہ قرآن کیسے ہوتا۔ پھر کوشش ہوئی اور اللہ نے کیو ٹی وی والوں کے ذریعے ایک راستہ کھول دیا اور انہوں نے ہمیں رات ساڑھے نو سے بارہ کا وقت دے دیا جو کہ میڈیا کی زبان میں کہوں تو کوئی پرائم ٹائم نہیں ہے۔ کیونکہ رمضان شریف میں پرائم ٹائم ہوتا ہے سحری کا وقت یا افطار کا وقت۔ بہر حال کورونا کے دو تین سال اسی طرح گزر گئے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ Qtv پروگرام بند کرنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 150 ممالک میں پروگرام دیکھا جاتا ہے۔ ان میں سے بہت سے ممالک میں جہاں عوامی سطح پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام نہیں ہوتے ان کو 29 راتوں میں قرآن پاک کے دورہ سے گزرنے کا موقع ملتا ہے۔ بالخصوص خواتین اور بزرگ حضرات اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اب اگر ہم کہیں کہ ہم نہیں کریں گے تو اس پر ہمارا دل مطمئن نہیں۔ ہم نے مشورہ بھی کیا تو فیصلہ یہی ہوا کہ اس پروگرام کو جاری رہنا چاہیے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے باقی سب ہم نے چھوڑ دیا۔ خطابات جمعہ بھی جاری ہیں، دروس قرآن بھی ہو رہے ہیں، رمضان میں دورہ ترجمہ قرآن بھی ہوتے ہیں۔ الحمدللہ! اس میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح اللہ پاک نے ہمیں ٹی وی پر موقع دیا، جب تک رب کو منظور ہوگا تو ہم اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ! تنظیم اسلامی ہمیشہ سے ایسے پروگرام محض اللہ کی رضا کے لیے کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کرتی رہے گی، اس سے کوئی مالی منفعت ہمارا مقصود نہیں ہے۔ الحمدللہ۔

آصف حمید: ریکارڈنگ کے حوالے سے ان کی کچھ غلط فہمیاں ہیں۔ اصل میں ٹرینڈ چینج ہو گیا ہے۔ سوشل میڈیا ہے۔ اس میں یہ ہوتا تھا کہ فوکس دورہ کروانے والے کو کیا جائے۔ اس لحاظ سے ریکارڈنگ کی کوالٹی الحمدللہ ٹھیک ہے اور مزید بہتری کی کوشش جاری رہتی ہے۔ میں اس حوالے سے کیو ٹی وی والوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کی توفیق دی۔ کیونکہ اپنے چینل پر ڈھائی تین گھنٹے لائیو دکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ چینل والوں سے پوچھیں ان کی جان نکل جاتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کو ہدایت دے کہ وہ باقی چیزیں بھی مکمل طور پر اسلام کے مطابق کریں۔ ۞

ضرورت رشتہ

☆ شیخ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 33 سال، سرجن ڈاکٹر، اسکاٹ لینڈ میں ڈیوٹی، مطلقہ کے لیے دینی مزاج کے حامل ڈاکٹر لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔ صرف والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0345-5666066
0333-5844410

اشتہار دینے والے حضرات نوٹ کرلیں کہ ادارہ ہذا صرف اطلاعاتی رول ادا کرے گا اور رشتہ کے حوالے سے کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے ناظم بیت المال خان زمان کے ٹانگ کا آپریشن ہوا ہے۔

برائے بیمار پرسی: 0303-5502483

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مغرب کی مادر پدر آزاد جمہوریت پاکستان میں نہیں چل سکتی۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہٰذا اس کے آئین کے مطابق بھی وہی جمہوریت ہونی چاہیے تھی جس کے بنیادی اصولوں کا تصور ہمیں خلافت راشدہ سے ملتا ہے: ایوب بیگ مرزا

پاکستان میں اسلامی نظام صرف منظم اور پُرامن احتجاجی تحریک کے ذریعے آسکتا ہے، وہ تحریک منکرات کے خلاف ہو تو ان شاء اللہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے گی اور اس کے نتیجے میں انقلاب آئے گا: خورشید انجم

”پاکستان کا سیاسی نظام اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ“ کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد باجوہ

سوال: بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جمہوریت کا تسلسل قائم رہنا چاہیے جیسا کہ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا:

”ہم ایک طرف یہ کہتے ہیں الیکشن ہونا چاہیے اس کا تسلسل جاری رہنا چاہیے لیکن دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں اسلام اس راستے سے نہیں آئے گا۔ پہلی بات ہم اس لیے کہتے ہیں کہ جمہوری عمل بند رہنے سے حبس ہو جاتا ہے، مختلف علاقوں میں احساس محرومیت پیدا ہوتا ہے اور اگر الیکشن ہوں تو شراکت کا احساس زندہ رہتا ہے۔ ایک سادہ مثال میں دیتا رہا ہوں کہ کسی شخص کے زندہ رہنے کے تقاضے کچھ اور ہیں، اس کے مسلمان بننے کا تقاضا کچھ اور ہے، زندہ رہنے کے لیے اسے ہوا، پانی، غذا وغیرہ چاہیے، لیکن مسلمان بننے کے لیے اسے کوئی ایمان کی رمق چاہیے۔ یہ دونوں تقاضے علیحدہ ہیں۔ اسی طرح اس ملک کو باقی رہنے کے لیے جمہوری سیاسی انتخابی عمل کا جاری رہنا ضروری ہے ورنہ حبس ہوگا لیکن یہاں اسلام الیکشن کے راستے نہیں آ سکتا۔ وہ آئے گا صرف انقلاب کے راستے سے۔“

آپ یہ فرمائیے کہ خلافت راشدہ کے دور کے بعد اکثر جو وقت گزرا ہے اس میں تو ملوکیت رہی ہے؟

خورشید انجم: نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں پانچ ادوار گنوائے ہیں۔ پہلے حضور ﷺ کا اپنا دور ہے دور نبوت۔ اس کے بعد دور خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ، پھر اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت، پھر اس کے بعد جبری ملوکیت اور اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ آئے گی۔ ہمارے لیے آئیڈیل تو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ دوسری تشبیہ جمہوریت کی بنتی ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں حبس کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، لوگوں میں احساس محرومی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے اپنے نمائندے چاہے وہ جیسے بھی ہوں ان تک رسائی رکھتے ہیں اور ان کے مسائل سنتے ہیں۔ ہمارا ملک ایک کثیر القومی ملک ہے، جہاں بہت ساری قومیں بستی ہیں،

مرتب: محمد رفیق چودھری

پانچ تو بڑے صوبے ہیں، پھر ان کے اندر مزید تقسیم در تقسیم ہے۔ جب ہر علاقے سے عوام کا ایک نمائندہ حکومت میں شامل ہوگا تو پھر عوام میں شراکت کا احساس زندہ رہے گا۔ اس کے نتیجہ میں کسی نہ کسی طرح ملک اور نظام کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔ عوام کی Sense of Participation کے لحاظ سے جمہوریت خلافت کے قریب ہے کیونکہ خلافت راشدہ میں مشاورت کا رویہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ اگر عوام مجھے قبول کرتے ہیں تو میں عہدہ قبول کروں گا۔ انہوں نے بیعت عام لی تھی۔

سوال: جمہوریت مغرب کی دین ہے جہاں بے خدا تہذیب اور معاشرت ہے۔ جبکہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ایک نظریاتی ملک ہے۔ یہاں ہم جمہوریت کو کیوں رائج کرنا چاہتے ہیں، یہ فرق ہمارے ذہنوں میں کیوں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: پہلی بات کی تھوڑی سی تصحیح کر لینی چاہیے کہ جمہوریت کوئی نظام نہیں ہے بلکہ ایک طرز حکومت ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے سائے تلے ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اصل میں ایک استحصالی اور بدبودار نظام ہے۔ اس کی سرانڈ کو چھپانے کے لیے جمہوریت کا خوشنما غلاف چڑھانا پڑا۔ نعرہ دیا گیا: عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے۔ عوام چاہیں تو جس کو مرضی اپنا نمائندہ مقرر کر لیں اور وہ نمائندے اسمبلیوں میں جا کر جو چاہے قانون سازی کریں۔ اگر اکثریت کہہ دے کہ مرد مرد سے شادی کر سکتا ہے تو وہ قانون بن جائے گا۔ یہ اصل میں جمہوریت کا مغربی تصور ہے۔ حقیقی جمہوریت وہ ہے جس کا تصور خلفائے راشدین کے ہاں ملتا ہے۔ جس میں رب کے سامنے جوابدہی کا احساس ہے، انسانوں کی بہبود، انسانی معاشرہ کی فلاح اور بھلائی کا تصور ہے اور مشاورت کا نظام ہے۔ اس کی جھلک آپ کو خلفائے راشدین کے دور میں نظر آئے گی۔ اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس اتنا ہے کہ راتوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت کرتے ہیں کہ کسی گھر میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔ معلوم ہوا کسی گھر میں راشن نہیں ہے تو اپنی کمر پر راشن لاد کر لے کر گئے، غلام نے کہا حضور! میں اُٹھا لیتا ہوں فرمایا: روز محشر جواب عمرؓ نے دینا ہے، یہ میری ذمہ داری ہے۔ یہ ہے اصل جمہوریت اور اس میں غیر مسلم کو بھی اسی طرح انصاف مل رہا تھا جس طرح کا مسلم کو مل رہا تھا۔ جمہوریت اس کا نام نہیں ہے کہ ووٹ ڈال دیا اور اب آ کر جو چاہے کرو۔ یہ مغرب کی مادر پدر آزاد جمہوریت ہے جو پاکستان میں نہیں چل سکتی۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہٰذا اس کے آئین کے مطابق بھی وہی جمہوریت ہونی چاہیے تھی جس کا تصور ہمیں خلافت راشدہ سے ملتا ہے۔ اگرچہ آن پیپر تو پاکستان میں یہی جمہوریت ہے۔ آرٹیکل A-2 صاف کہتا ہے کہ

پاکستان میں اصل حاکمیت اللہ کی ہے اور پارلیمنٹ کے نمائندے اس کو بطور امانت استعمال کریں گے۔ اسی طرح ہمارا آئین کہتا ہے کہ یہاں کوئی قانون سازی قرآن اور سنت کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ گویا آن پیپر تو ہمارے ہاں اصل جمہوریت ہے لیکن عملی طور پر وہی انگریز کا 1935ء کا بنایا ہوا قانون چل رہا ہے۔ اس کے تحت فیصلے ہو رہے ہیں۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ یہاں اگر واقعتاً جمہوریت آتی تو آج ملک کا یہ حشر ہوتا؟ اس وقت پاکستان شاید ایشیا کا غریب ترین اور مفلوک الحال ملک ہے۔ ہم چند ماہ پہلے کہہ رہے تھے کہ کہیں پاکستان سری لنکا نہ بن جائے آج سری لنکا پاکستان سے بہتر نظر آرہا ہے۔ لہٰذا ایک وہ جمہوریت ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت ہے اور ایک وہ جمہوریت ہے جس میں خلافت راشدہ جیسی مشاورت، رائے کی آزادی اور عدل وانصاف ہے۔ خاص طور پر حضرت عمرؓ کے دور میں اس کی بنیادیں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ ان سے پہلے خلافت راشدہ میں ایڈمنسٹریشن، قانون سازی اور عدلیہ ایک ہی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو علیحدہ کر کے باقاعدہ ادارے بنائے۔ اسی طرح آپ نے پولیس، ڈاک، مارکیٹ کنٹرول سمیت بے شمار شعبہ جات قائم کیے۔ آج آپ دیکھ لیجئے ساری اچھی چیزیں وہیں سے لی گئی ہیں۔ ہمیں اصل میں اس طرح کا نظام چاہیے۔

خورشید انجم: آپ نے سچ کہا کہ جمہوریت مغربی بے خدا اور بے دین تہذیب کی اختراع ہے۔ اصل میں اس کا تاریخی پس منظر دیکھا جائے تو یورپ جسے ڈارک ایجز کہتا ہے اس دور میں یورپ میں بادشاہت اور پاپائیت کا زمانہ تھا۔ بادشاہ اور پوپ ایک دوسرے کو His Majesty اور His Holiness کے خطابات سے نوازا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یورپ کے جو لوگ بغداد اور اندلس کی مسلم یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر کے آئے انہوں نے یورپ میں بادشاہت اور پاپائیت کے تسلط کے خلاف ایک سوچ اُبھاری۔ اس کے نتیجہ میں یورپ میں ریفارمیشن اور Renaissance کی تحریکیں اٹھی ہیں اور پھر وہ تبدیلی آئی ہے جس نے جمہوریت کو متعارف کروایا۔ لہٰذا بنیادی طور پر جمہوریت اسلامی فکر اور تصورات کا ہی نتیجہ ہے۔ یعنی مسلمانوں نے ہی اہل مغرب کو ڈارک ایجز سے نکالا۔ اسلامی تہذیب میں انسانی حریت، اخوت اور مساوات کا جو طرزِ عمل تھا اُسی نے جمہوریت کی شکل اختیار کی لیکن بعد ازاں مغرب نے اس کو بگاڑ دیا۔

سوال: ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے خطابات میں نظریاتی سیاست اور عملی سیاست میں فرق بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے فرمایا:

''کوئی باشعور مسلمان غیر سیاسی نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ خالص غیر سیاسی ہے تو بے شعور ہے، کیونکہ دین کی حقیقت اس پر کھلی نہیں کہ اسے معلوم ہو کہ یہ بھی دین کا ایک شعبہ ہے جیسے: ((الحیاء شعبة من الایمان)) اسی طرح السیاسة شعبة من الاسلام ہے البتہ اس سیاست کی کچھ شاخیں ہیں۔ ایک نظری سیاست ہے اور ایک عملی سیاست ہے۔ نظری سیاست میں سب سے بڑا کردار صحافت، میڈیا، اہل فکر و دانش کا ہوتا ہے جو حکمرانوں کو ایک خاص رُخ پر ڈالتے ہیں۔ کسی شخص کی کردار سازی

> **کوئی باشعور مسلمان غیر سیاسی نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ خالص غیر سیاسی ہے تو بے شعور ہے، کیونکہ دین کی حقیقت اس پر کھلی نہیں کہ اسے معلوم ہو کہ سیاست بھی دین کا ایک شعبہ ہے۔**

ان کے ذریعے ہوتی ہے۔ لہٰذا اصل سیاستدان وہ ہیں اگرچہ وہ عملاً سیاست میں نہیں ہوتے اور نہ ہی سیاستدان کہلائے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ الیکشن نہیں لڑتے اور نہ ہی حکومت یا اپوزیشن میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ میں نظری سیاست میں پہلے دن سے ہوں، تبصرہ کرتا ہوں، کتابیں لکھتا ہوں جو چیز صحیح ہے اس کی نشاندہی کرتا ہوں، اس کی تحسین اور اس کی تائید کرتا ہوں، جو میرے خیال میں غلط ہے، اس کی نفی کرتا ہوں اور حکمرانوں کو مشورے دیتا ہوں کہ یہ کام نہ کیا جائے۔ دوسری سیاست عملی ہے۔ اس کی مزید دو قسمیں ہیں۔ ایک انقلابی سیاست ہے اور ایک انتخابی سیاست ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ٹھیک ہے، کہیں کوئی جزوی اصلاح کی ضرورت ہے جسے حکومت میں آکر ٹھیک کیا جاسکتا ہے تو وہ انتخابات میں حصہ لے۔ جس کو عوام مینڈیٹ دے وہ حکومت میں آکر نظام چلائے اور جہاں اصلاحات کی ضرورت ہے وہ پوری کرے۔ بنیادی طور پر انتخابی سیاست نظام کو چلانے کے لیے ہوتی ہے۔ نظام بدلنے کے لیے نہیں ہوتی۔ کیونکہ انتخابات کے ذریعے نظام چلایا جاسکتا ہے لیکن بدلا ہرگز نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ ہمارے ملک کا نظام ہی غلط ہے، اس کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اس کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہی غلط ہے تو پھر اس کا عملی سیاست میں جانا وقت ضائع کرنا ہے۔ وہ اپنا وقت اور پیسہ بھی ضائع کرے گا اور کارکنوں کی صلاحیتیں، جان، مال بھی بے سود کھپائے گا۔ اس صورت میں درست راستہ انقلابی سیاست کا ہے۔ انقلابی سیاست یہ ہے کہ انقلابی نظریے کو پھیلایا جائے، جو لوگ اس نظریے کو قبول کریں انہیں منظم کیا جائے۔ ان کی تربیت کی جائے اور پھر جب ایک منظم اور تربیت یافتہ جماعت تیار ہوجائے تو وہ اس نظام کے ساتھ ٹکرائے۔ اس لحاظ سے میں انتخابی سیاست سے تو باہر ہوں لیکن نظری اور انقلابی سیاست میں تو میں نے اپنی زندگی لگادی ہے۔ چاہے اس کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوسکے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

یہ ڈاکٹر صاحبؒ کا مؤقف ہے جبکہ اس کے برعکس آج کل ایک رائے یہ آرہی ہے کہ انسان کو نیوٹرل ہونا چاہیے، آپ اس بارے میں کیا فرمائیں گے؟

خورشید انجم: ڈاکٹر صاحبؒ نے خود بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کو سمجھا دیا ہے۔ اصل میں یہ ایک بڑی غلط فہمی میں کہہ دیا جاتا ہے کہ سیاست بُری چیز ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور کی سیاست تو واقعی ایک سنڈاس بن چکی ہے۔ ہمارے سیاستدان چاہے وہ حکومت میں ہوں یا اپوزیشن میں ہوں، جیسا ان کا کردار ہے، جیسی گفتار ہے، اس سے تو یہی تاثر ملتا ہے کہ سیاست ایک گندا جوہڑ ہے۔ لیکن اصل سیاست کچھ اور چیز ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

((کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء))

بنی اسرائیل کی سیاست تو انبیاء کرتے تھے۔

پھر اسی طرح شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب حجۃ البالغہ میں سیاست مدن کے عنوان سے ایک پورا باب شامل کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ کبھی بھی نیوٹرل نہیں رہے البتہ ون سائیڈڈ بھی نہیں رہے۔ وہ فرماتے تھے ہوسکتا ہے میں غلطی پر ہوں، اصلاح کی گنجائش ہر ایک کو ہوتی ہے لیکن وہ سیاسی معاملات میں کبھی خاموش نہیں رہے۔ ان کا

طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ جس پارٹی یا سیاستدان کا جو کام انہیں اچھا لگا ہے اس کی انہوں نے تائید کی ہے اور جہاں برا لگا ہے اس کی مخالفت سرِعام کی ہے۔ ان کی اپنی رائے تھی جو کسی عوامی رجحان یا ہجوم کے زیرِ اثر نہیں تھی بلکہ وہ حق بات کی تلاش میں رہتے تھے اور وہی بیان کرتے تھے۔ جیسا کہ بھٹو کے خلاف جو نظامِ مصطفیٰ کی تحریک چلی تھی تو انہوں نے شروع میں ہی کہہ دیا تھا کہ یہ اینٹی بھٹو تحریک ہے، اس کا نظامِ مصطفیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ بات ثابت بھی ہوگئی۔ اسی طرح نائن الیون کے بعد جب مشرف نے علماء اور مشائخ کا اجلاس بلایا تھا تو ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کے منہ پر جا کر ساری باتیں کہہ دی تھیں جو حق پر مبنی تھیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مسلمان کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ سیاست دین کا حصہ ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحبؒ نے انقلابی سیاست کے مختلف مدارج اور اس کے مختلف stages بتائے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

''انقلابی سیاست تین چیزوں کا نام ہے۔ پہلے ذہنی اور فکری انقلاب لایا جائے، ہر نظام کسی فکر پر قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کو بدلنا ہے تو متبادل فکر لائیے۔ وہ لوگوں کے ذہنوں میں اتاریے۔ نمبر دو۔ جب ذہنوں میں یہ متبادل فکر آ جائے گا تو ان کے اخلاق اور اعمال میں بھی انقلاب آ جائے گا، سوچ بدل گئی تو عمل بھی بدلے گا۔ پہلے یہ دو کام ہیں کسی بھی انقلاب کے لیے۔ البتہ یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ کبھی بھی یہ تبدیلی اکثریت میں نہیں آیا کرتی بلکہ ایک اقلیت میں آتی ہے۔ ان دو تبدیلیوں کے بعد اب یہ اقلیت نظام کے ساتھ ٹکراؤ مول لیتی ہے۔ لیکن اس سے قبل یہ اقلیت منظم ہو کر ایک تنظیم کی شکل اختیار کرتی ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں نا ایک اکیلا دو گیارہ، تیسرا لگ گیا تو ایک سو گیارہ، چوتھا لگ گیا تو ایک ہزار ایک سو گیارہ، تنظیم اس کا نام ہے۔ اس اعتبار سے وہ اقلیت منظم ہونے کے بل بوتے پر غالب آتی ہے اور نظام کو بدل دیتی ہے۔ ورنہ کبھی بھی دنیا میں انقلاب اکثریت نہیں لاتی۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں بھی (جب انقلاب آیا) پورے جزیرہ نما عرب میں اکثریت مومنین صادقین کی نہیں تھی۔ کیا روسی انقلاب کے وقت روس میں اکثریت کمیونسٹوں کی ہو گئی تھی؟ آخری وقت تک نہیں ہوئی۔ پچیس لاکھ تیس لاکھ، کروڑوں کی آبادی میں کمیونسٹ پارٹی کے ممبر تو چند لاکھ ہی رہتے تھے۔ لہٰذا انقلابی عمل میں کبھی اکثریت نہیں ہوا کرتی، اقلیت ہوتی ہے لیکن منظم ہو کر اور اپنی قربانی کے جذبے کے تحت وہ اکثریت پر غالب آ جاتی ہے۔''

ہماری سیاسی جماعتیں جب تبدیلی یا انقلاب کی بات کرتی ہیں تو ان کے پیشِ نظر یہ مدارج اور stages اس انداز میں نہیں ہوتے جس طرح ڈاکٹر صاحبؒ بیان فرما رہے ہیں آپ کے خیال میں ان کے پیشِ نظر تبدیلی کیسے ممکن ہے؟

ایوب بیگ مرزا: پہلے تو میں ایک بات پچھلے سوال کے حوالے سے عرض کرنا چاہوں گا کہ میں سمجھتا ہوں کہ

> **دنیا میں کبھی بھی اکثریت کے ذریعے انقلاب نہیں آیا۔ جب بھی انقلاب آیا وہ اقلیت لے کر آئی۔ اکثریت میں اگر تبدیلی آجائے تو انقلاب کی ضرورت کیا ہے؟**

جیسے ڈاکٹر صاحبؒ نے کہا کہ ہر باشعور آدمی سیاسی ہوگا اور اگر وہ سیاسی نہیں تو وہ باشعور نہیں۔ یہی بات میں جماعتوں کے حوالے سے بھی کہتا ہوں کہ اگر وہ سیاسی نہیں تو باشعور نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں انقلاب کا لفظ بہت بدنام ہو چکا ہے اور بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اسے جان بوجھ کر بدنام کیا گیا ہے۔ اصل میں معاملہ یہ ہے کہ واقعتاً اگر کوئی نظریاتی سطح پہ انقلاب آئے گا تو وہ یقیناً جیسے ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ وہ اقلیت لائے گی، اکثریت اگر اس پر آ جائے گی تو انقلاب کی ضرورت کیا ہے؟ جہاں تک ہماری جماعتوں کا تعلق ہے تو اصل میں سوچ یہ بن گئی ہے کہ میری ذات میں انقلاب آ جائے، میرے خاندان میں انقلاب آ جائے، میرے بزنس، بینک بیلنس، پراپرٹی اور ہر چیز میں انقلاب آ جائے۔ سب کی بات نہیں ہے۔ ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خورشید انجم صاحب نے بھی فرمایا کہ جو اس وقت کی سیاست ہے اس میں ساری توجہ اپنے اقتدار اور مال پر مرکوز ہو چکی ہے۔ ان کے نزدیک تو یہی ہے کہ میرا بینک بیلنس بڑھ گیا، میری باہر جائیداد بڑھ گئی تو یہی انقلاب ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب نے فرمایا تھا کہ سیاست عبادت کا جزو ہے اور اگر اس پہ اپنا اظہارِ خیال کرنا ہے اور اس کے پیچھے جذبہ خیر خواہی کا ہے تو اس سے بہتر کوئی بات ہی نہیں ہے:

''بخاری و مسلم دونوں میں حضرت جریر ابن عبداللہ ؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی اس پر کہ نماز قائم رکھوں گا، زکوٰۃ ادا کرتا رہوں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ یعنی ساری دعوت و تبلیغ، نصیحت، تعلیم، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جذبہ محرکہ جو ہونا چاہیے وہ لوگوں کی خیر خواہی ہو، آپ تنقید کر رہے ہیں تو خیر خواہی کے لیے کیجیے، کوئی حکمران ہو چاہے آپ کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو، آپ اس سے متفق نہیں ہیں، لیکن بالفعل حکمران ہو گیا ہے، تو آپ اس کو بھی صحیح مشورہ خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ دیتے رہو اور غلط بات پر ٹوکتے رہو۔ اصل میں یہ وہ عمل ہے کہ جو میں نے چونکہ جاری رکھا ہے پوری زندگی جب سے میں نے اپنی تنظیم اور جماعت کا سلسلہ شروع کیا ہے اس کے بعد سے اس پر کچھ ہمارے ساتھی ناراض بھی ہوتے تھے کہ آپ خواہ مخواہ مشورے دیتے رہتے ہیں، آپ کا مشورہ سنتا کون ہے لیکن آپ کے مشوروں سے کبھی کوئی خوش ہو جاتا ہے تو کبھی کوئی ناخوش ہو جاتا ہے، عوام میں اُلٹے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ شاید آپ فلاں کی حمایت کر رہے ہیں اور وہ عام لوگوں کے نزدیک کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اپنے رفقاء کے ہاں بہت عرصے تک اس پر میری مخالفت ہوتی رہی جب تک کہ میں نے بات کو کھول کھول کر بیان نہیں کر دیا جیسا کہ آپ کے سامنے بھی بیان کر رہا ہوں کہ سیاست میرے نزدیک عبادت کا جزو ہے، سیاست عین عبادت ہے جس کے لیے میرے پاس جو نص قطعی ہے وہ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی وخلفہ نبی)) بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تھا، دوسرا نبی ہی اس کی جگہ پر قائم مقام ہو جاتا تھا تو یوں سمجھ لیجیے جو کام نبیوں نے کیا ہو (اس کی کیسے نفی کی جا سکتی ہے) اور پھر ہمارا دین تو ہما پہلو ہے، اس میں انسانی زندگی کے سارے شعبے شامل ہے،

کیسے ممکن ہے کہ سیاست جیسا اہم شعبہ اس سے باہر ہو۔''

یہ ڈاکٹر صاحب کا موقف تھا کہ جب سیاست میں کوئی بات کرنی ہو تو خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کی جانی چاہیے لیکن ہمارے ہاں دیکھنے میں یہ آرہا ہے اور خاص طور پہ سوشل میڈیا پر سیاسی مخالفت اور تنقید اپنی شدت میں ایسی شکل اختیار کر گئی ہے کہ الامان والحفیظ۔ یعنی معاملات برداشت سے باہر ہو گئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی محفل میں بھی جب سیاسی موضوع ڈسکس ہوتا ہے تو بات لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے۔ آپ کے خیال میں یہ رجحان کس طرف بڑھ رہا ہے اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

خورشید انجم: اس وقت بڑی ہی افسوسناک صورتحال ہے اور چونکہ سوشل میڈیا پر ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے کہہ دے یا چلا دے۔ اب اس میں نصح و خیر خواہی والی کوئی بات نہیں رہی بلکہ سب ہی اس حمام میں ننگے ہو چکے ہیں۔ ہر بندہ اپنی پارٹی اور اپنے لیڈر کی ہر برائی سے صَرفِ نظر کر رہا ہے بلکہ اس کو defend کر رہا ہے اور مخالف پارٹی اور اس کے لیڈرز کی ہر اچھائی پر تنقید کر رہا ہے۔ پھر اس مقابلہ آرائی میں جس طرح کی بدتمیزی اور بدزبانی کا عنصر شامل ہو گیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایک ریوڑ اچانک کھل جائے اور پھر کسی کے کنٹرول میں نہیں رہتا۔ خاص طور پر جو نوجوان ہیں ان کی تو کوئی تربیت ہی نہیں ہے بلکہ بڑے بھی اس کا شکار ہیں البتہ کچھ نہ کچھ برداشت ہے لیکن چھوٹے تو اپنے آپ کو سراپا حق سمجھ رہے ہیں اور دوسرے کو سراپا باطل سمجھ رہے ہیں۔ اس طرح وہ اس کو حق اور باطل، کفر اور اسلام کی جنگ بنا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ totally اقتدار کی جنگ ہے۔ ہر ایک کوشش کر رہا ہے کہ میں کسی طرح اقتدار میں آؤں اس کے لیے یہ ساری کوشش ہو رہی ہے۔ اصل میں جیسا کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ سیاسی مخالفت یا حمایت نصح و خیر خواہی کے جذبہ کے تحت ہونی چاہیے۔ اگر یہ نہیں ہو گا تو پھر وہی ہو گا جو ہو رہا کہ جن بوتل سے باہر آ گیا ہے اور اب اس کو قابو کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ سیاسی قائدین کو اس پر اب سوچنا چاہیے اور قوم کی احسن انداز سے تربیت کرنی چاہیے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے الیکشن کے ذریعے اسلام نہیں آ سکتا، وہ انقلابی راستے سے ہی آ سکتا ہے:

''آج کے دور میں دو شکلیں ہو سکتی ہیں آخری اقدام کی، ballot یا bullet کے ذریعے سے۔ اگر واقعتاً ملک کی فضا اتنی ہموار ہو چکی ہے اور کوئی جماعت عوام کی توجہ کی اتنی مرکز بن چکی ہے کہ اُس سے عوام غلبہ دین کی توقع کر رہے ہوں اور ایک الیکشن میں ہی سویپ کر کے اپنی اکثریت حاصل کر لے تو اس کے ذریعے سے بھی اسلام نافذ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں تو پانچ چھ دینی جماعتیں ہیں (جے یو آئی، جے یو پی، ان کے مختلف دھڑے، جماعت اسلامی، جمعیت اہل حدیث وغیرہ)۔ یعنی اسلام کے نام پر ووٹ مانگنے والے بہت ہیں (لہٰذا ووٹ تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایسی کئی وجوہات کی بناء پر) ہم سمجھتے ہیں کہ الیکشن کے ذریعے اسلام کا آنا ناممکنات میں سے ہے۔ دوسرا راستہ ایجی ٹیشن کا ہے، نہی عن المنکر دینی فریضہ ہے، منکرات کے خلاف کھڑے ہو جاؤ، کہو کہ یہ چیزیں حرام ہیں ان کو بند کرو، اس بنیاد پر ایک پُرامن اور منظم ایجی ٹیشن (جو کہ خالصتاً دینی مسئلے پر) ہو تو کچھ جانیں دینے کے بعد بہرحال پھر حکومت اس جائز مطالبہ کو ماننے پر مجبور ہو جائے گی اور پھر اس ذریعے سے اسلامی نظام آ سکتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحبؒ کے اس موقف کے تناظر میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں کسی تبدیلی یا انقلاب کی راہ ہموار ہو سکتی ہے؟

خورشید انجم: ڈاکٹر صاحبؒ نے خود ہی وضاحت کر دی ہے کہ الیکشن کے ذریعے تبدیلی تب آ سکتی ہے جب ایک ہی الیکشن میں کوئی جماعت سویپ کر جائے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس کے لیے کوئی ایسی جماعت ہو جو عوام کی توجہ کا مرکز ہو لیکن اس وقت تو دینی جماعتیں مزید دھڑوں میں تقسیم ہو چکی ہیں لہٰذا وہ معاملہ مزید دور ہو گیا ہے۔ درست راستہ اب وہی ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ منکرات کے خلاف ایک پُرامن اور منظم احتجاجی تحریک چلائی جائے۔ ایسا دنیا میں ہوتا آیا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ ہماری دینی جماعتوں نے بھی کئی مطالبات اس طریقے سے منوائے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ مظاہرہ ایسا ہو کہ ایک گملا تک نہ ٹوٹے۔ وہ تو یہاں تک بھی کہتے تھے کہ مظاہرہ ہوا لیکن توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا تو ایسی جماعت کو پھر کسی قسم کے جلوس یا مظاہرے کا حق ہی نہیں ہے۔ البتہ پُرامن اور منظم احتجاجی تحریک ہو تو ان شاء اللہ وہ تحریک آہستہ آہستہ آگے بڑھے گی اور اس کے نتیجے میں انقلاب آئے گا۔

سوال: تنظیم اسلامی ڈاکٹر صاحبؒ کے اسی موقف کو لے کر ابھی بھی چل رہی ہے یا اس میں حالات کے مطابق کوئی تبدیلی آپ کو فیزیبل نظر آ رہی ہے؟

ایوب بیگ مرزا: اصل میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے جو احتجاجی تحریک کا نظریہ پیش کیا ہے وہ اب بھی قابل عمل ہے۔ اس وقت لوگ ہر شے سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ اگر ایسی کوئی تحریک چلائی جائے گی تو اس کو عوامی حمایت حاصل ہو گی۔

سوال: احتجاجی تحریکیں پاکستان میں پچھلے پانچ سال، دس سال جتنی بھی چلی ہیں اُن کو تو crush کر دیا گیا۔ اگر ایسی کسی تحریک کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہو جو یہاں کامیاب ہوئی ہو تو پھر ہم سمجھیں گے کہ یہ ڈاکٹرائن فیزایبل ہے مگر ہمیں تو ایسی کوئی نظیر نظر نہیں آتی؟

ایوب بیگ مرزا: ہمارے سامنے ایک مثال تو تحریک پاکستان کی ہے۔ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پاکستان بن جائے گا لیکن 1940ء کی قرارداد کے بعد کس طرح یہ تحریک کامیاب ہوئی یہ اللہ جانتا ہے۔ ایک طریقہ تو وہی ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک جماعت ایسی ہو جس پر عوام کا اعتماد ہو اور ایک ہی الیکشن میں سویپ کر جائے۔ جیسا کہ عوامی لیگ نے بنگال میں سویپ کیا تھا۔ تو اس کے ذریعے بھی اسلام آ سکتا ہے بشرطیکہ وہ دینی جماعت ہو لیکن موجودہ دور میں ایسی کوئی پارٹی نظر نہیں آتی۔ اس کا کوئی دور دور تک امکان فی الحال نظر نہیں آتا۔ موجودہ حالات میں اصل طریقہ وہی ہے جو دوسرا طریقہ ڈاکٹر صاحبؒ نے بتایا کہ پُرامن اور منظم احتجاجی تحریک چلائی جائے۔ آج ہو جائے یا دس سال بعد ہو یہ بات الگ ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی طریقہ کار نہیں۔ البتہ کل کیا ہو گا یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لوگوں کے دل پھر جائیں۔ ایک جگہ ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جمہوریت پاکستان کی ماں ہے اور اسلام اس کا باپ ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں مل جائیں تو پھر ان شاء اللہ پاکستان صحیح راہ پر گامزن ہو گا۔ اس سے پاکستان کے موجود رہنے کا جواز بھی رہے گا اور پاکستان مستحکم بھی ہو گا لیکن جیسا کہ اس وقت انتشار چل رہا ہے، عین ممکن ہے کہ اسی شر میں سے خیر نکل آئے۔ یہ کچھ نہیں کہہ سکتے لہٰذا اس وقت جیسے کہتے ہیں:

Every thing is a Melting pot جب وہ ہے تو اس سے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

بدل تو سکتا ہے اب بھی نقشہ

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

دنیا ضمیر کا صفحہ پھاڑ چکی ہے۔ معیشت کے سینے میں بھی دل نہیں ہوتا آج کی دنیا میں۔ سو بھارت جیسا جنونی دنیا بھر کی 20 معاشی طاقتوں کو مقبوضہ جموں وکشمیر میں عوام کا گلا گھونٹ کر اس پر G-20 کے رنگ برنگے بینر سجا کر میزبانی کرنے کی جرأت رکھتا ہے۔ آنے والے مہمان سری نگر کے مرغزاروں، زعفران زاروں، ڈل جھیل کے مناظر کے بیچ معاشی پالیسی سازی طلب امور، باہمی تعاون، ودیگر باہمی دلچسپی کے امور پر بات چیت کے دور چلائیں گے۔ سری نگر مرکز ہے، کشمیری عوام کے حقوق کا گلا گھونٹنے، 75 سالوں میں ڈھائی لاکھ مسلمانوں کو شہید کرنے، خواتین کی بے حرمتی، پیلٹ بندوقوں سے کشمیری نوجوانوں بچوں کو بینائی سے محروم کرنے، قید و بند کی صعوبتوں سے آبادی کے معتدبہ حصے کو دوچار کرنے کے جرائم کا۔ حقائق کھولے جائیں تو 10 لاکھ بھارتی فوج کے بوٹوں تلے سسکتی آبادی کے بیچوں بیچ روس، آسٹریلیا، انڈونیشا، کینیڈا، نرم ملائم پُرامن تأثر دیتا جاپان، اٹلی، جرمنی، فرانس، امریکا، برطانیہ اور امارات جیسے ممالک شریک ہو رہے ہیں۔ چین، سعودی عرب، ترکی، مصر نے شمولیت سے انکار کیا ہے۔

امریکا و برطانیہ نے منافقانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ چین کے ساتھ لداخ اور پاکستان کے ساتھ کشمیر پر تنازع دونوں ممالک کے انکار کا باعث ہے۔ یورپی یونین نے بھی سوال اٹھانے پر آئیں بائیں شائیں کر کے جان چھڑالی۔ یہ تمام ممالک دنیا کا 85 فی صد جی ڈی پی اور 75 فی صد عالمی تجارت، جب کہ دنیا کی دوتہائی آبادی کی نمائندگی کرتے، بے ضمیری کی منڈیر پر چڑھے بیٹھے سری نگر کی گھٹی گھٹی آہوں کراہوں کے لیے بہرے ہیں، اندھے ہیں، گونگے ہیں۔ ان سے توقع عبث ہے۔ انسانی حقوق کے لیے انڈونیشا سے تو دیکھتے ہی دیکھتے مشرقی تیمور حقیر عیسائی اقلیت کے حقوق کے نام پر فوراً الگ کروالیتے ہیں۔ سوڈان کے حصے بخرے کرنے میں پینگ پھٹکری نہیں لگتی۔ مگر دنیا میں ایکا ہے مسلمانوں پر حقوقِ انسانی کے اطلاق نہ کرنے کا۔ سو کشمیر سسک رہا ہے۔ پاکستان احتجاج کناں تو ہے مگر اسے اپنی ڈال دی گئی ہے۔

عمران خان وائرس میں پاکستان تپ پھُنک رہا ہے۔ اسے ایسے دن اپنی پوری تاریخ میں دیکھنے کو نہ ملے تھے جو 9 مئی نے پورے ملک کو دن میں تارے دکھا دیے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ بھارت کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ کشمیر پر ظلم کی رات اور گہری کیوں نہ ہوتی۔ کشمیری ایک نعرہ ایمانی غیرت میں بھر کر بھارتی فوج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لگاتے تھے۔ وہ نعرہ پاکستان کے عوام اور حکومت، اس کے وجود اور نظریے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھارتی شکست (1965ء) کی نشانیوں کو جلاتے ہوئے عمرانی ٹائیگروں نے لگایا۔ ہم چھین کے لیں گے آزادی! کس سے؟ پاکستان سے؟

ملک بننے کے بعد پاکستان کی بقاء کی جنگ کفر کے مقابل مسلم پاکستان میں لڑی گئی۔ جس پر ایوب خان نے اپنی سیکولرازم بالائے طاق رکھ کر کلمہ طیبہ پڑھ کر عوام کو بھارت کے کفریہ عزائم کے خلاف اٹھا کھڑا کیا تھا۔ جس جنگ میں اول آخر حوالہ قومیت، پاکستانیت سے بڑھ کر ایمان، اسلام کا تھا۔ اللہ کی مدد اترتی دیکھی گئی تھی۔ وہ ایم ایم عالم جو قبل ازیں شراب تک پی گزرتے تھے، اس جنگ میں غیرت میں بھر کر جب اڑان بھری، ایک منٹ میں پانچ بھارتی طیاروں کو مار پھینکا اور کل نو بھارتی طیارے گرا کر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا۔ انہوں نے آخری سانس تک اسے اللہ اور اس کے ملائکہ کی مدد سے منسوب کیا۔ تائب ہوئے، اللہ نے ایمان سے انہیں مالا مال کیا۔ اسلامی پاکستان کے خواب کو سینے سے لگائے بیٹھے اور اسی پر اللہ کے حضور لوٹ گئے۔ روس کے خلاف افغانستان کے شیروں کا ساتھ دینے کے لیے وہاں بھی جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے سے گئے۔ (یاد رہے کہ راقمہ کے زوج محترم سے ان کا نہایت قرب اور محبت کا تعلق تھا۔) اس عظیم پاکستانی کے جذبہ ایمانی کی نشانی، ان کے جہازوں کو 9 مئی کو خصوصیت سے نشانہ بنانے والوں میں کون سا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا؟ حق و باطل کی جنگ (مشرف کی متنازعہ امریکی جنگ کے برعکس) کی نشانیوں پر غیظ وغضب برسانے والے کس کی آنکھیں اور دل ٹھنڈے کر رہے تھے؟ کون نہیں جانتا کہ افغانستان کے خلاف جنگ مسلط کرنے میں پاکستان کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے اب ایٹمی پاکستان دجالی مغرب (بھارت کے علاوہ) کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔ اسے اندر سے کھوکھلا کر کے، آئی ایم ایف کے قدموں میں لاچاری سے بھیک طلب بنا ڈالنے کا ایجنڈا اب پورا کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ چار سالوں میں ناتجربہ کاری اور پیسہ اڑانے کے ہاتھوں معیشت جس طرح تباہ ہوئی، گزشتہ سال بھر میں آتش زنی سے مسلسل ملک کو عدم استحکام سے دوچار کر کے اس کی بربادی کا مزید سامان تحریک انصاف نے کیا۔ اسٹیٹ بینک نے دہائی دی ہے کہ سیاسی کھینچا تانی مسائل کو بڑھا رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں دیوالیہ کرنے کے درپے امریکا خود دیوالیہ ہونے کے قریب ہے۔ (آئی ایم ایف ہمیں رقوم کی اقساط دینے میں قصداً دیر کر رہا ہے امریکی تھپکی پر۔) 70 لاکھ ملازمتیں امریکا میں ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور وہ خود شدید معاشی مخمصے کا شکار ہے۔

عمران خان اس مشکل وقت میں کسے پکار رہا ہے؟ دباؤ کہاں سے ہم پر آ رہا ہے؟ حقائق کھل گئے۔ 66 امریکی کانگریس مین جنہیں امریکا میں تحریک انصاف کے قادیانی اور بے دین حلقے حقوق انسانی کی دہائیاں دے کر پکارتے رہے اور انہوں نے پھر جمہوریت کے راگ الاپ کر پاکستان پر دباؤ ڈالا۔ (کینیڈا، برطانیہ سے بھی۔) عمران خان خود دن رات عالمی میڈیا کے دروازے کھٹکھٹا کر ہائے وائے پکار رہا ہے۔ خلیل زاد جو عمران خان کے ہم زلف (سابقہ ہی سہی) اور تقریباً ''خالہ زاد'' ٹھہرے، کیونکہ ان کی بیوی بھی یہودی ہے اور عمران خان کا سابقہ سسرال بھی۔ سو خلیل زاد (جن کی فاختہ افغانستان میں نہ اڑ سکی) پاکستان کو ڈرا دھمکا رہے ہیں کہ پاکستان میں عدم استحکام پورے خطے کو عدم استحکام سے

پریس ریلیز 12 مئی 2023ء

پاکستان کو نظریاتی یوم تکبیر کی بھی اشد ضرورت ہے

شجاع الدین شیخ

پاکستان کو نظریاتی یوم تکبیر کی بھی اشد ضرورت ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ 28 مئی 1998ء کا دن، پاکستان کے جغرافیائی دفاع اور عسکری حیثیت کو ناقابل تسخیر بنانے کے حوالے سے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب حکومت اور دیگر ریاستی اداروں نے طاغوتی قوتوں کے شدید دباؤ کے باوجود ایک جرأت مندانہ فیصلہ کیا اور پاکستان نے بھارت کے ایٹمی تجربات کے جواب میں اپنی ایٹمی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا جس سے نہ صرف بھارت بلکہ امریکہ اور اسرائیل سمیت تمام طاغوتی قوتوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ امتِ مسلمہ نے پاکستان کے باضابطہ ایٹمی طاقت بن جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ 28 مئی 1998ء کے بعد پاکستان اپنی اصل منزل یعنی ملک میں حقیقی معنوں میں اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف بڑھتا لیکن گزشتہ اڑھائی دہائیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر آنے والی حکومت نے ملک میں نفاذِ دینِ اسلام کے معاملہ میں مزید پسپائی اختیار کی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ پھر یہ کہ وطنِ عزیز بدترین سیاسی عدم استحکام اور معاشی بدحالی کا شکار ہو چکا ہے جس کے باعث ہمیں ہر سو جگ ہنسائی کا سامنا ہے۔ ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ سوویت یونین جیسی عظیم ایٹمی طاقت اس لیے شکست و ریخت کا شکار ہوئی کیونکہ اس نے اپنی نظریاتی اساس سے انحراف کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی بقا اور سلامتی بھی نظریۂ پاکستان کو عملی تعبیر دینے میں مضمر ہے۔ لہٰذا اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد نہ صرف ہماری اُخروی نجات کے لیے لازم ہے بلکہ دنیوی استحکام کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

گوشۂ انسدادِ سود

ضمیمہ

تنظیم اسلامی کی انسدادِ سود کی جدوجہد کی روداد

از حافظ عاطف وحید

☆ انسدادِ سود کی کوششوں کا دورِ ثانی 2012ء سے شروع ہوتا ہے۔ تنظیم اسلامی کی مرکزی سطح پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ میں انسدادِ سود کا معاملہ سپریم کورٹ آف پاکستان سے ریمانڈ شدہ 2002ء سے معرضِ التواء میں پڑا ہے لہٰذا کوشش کی جائے کہ اسے سماعت کے لیے ''Fix'' کروایا جائے۔ چنانچہ 4 اگست 2012ء کو ایک درخواست بعنوان "Application to Fix for Hearing" خالد محمود عباسی بمقابلہ فیڈریشن آف پاکستان بذریعہ سپریم کورٹ کے وکیل کوکب اقبال فیڈرل شریعت کورٹ میں داخل کی گئی جس میں انسدادِ سود کی سابقہ کوششوں اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے 1999ء اور 2002ء کو بنیاد بناتے ہوئے یہ استدعا کی گئی کہ:

"It is therefore, respectfully prayed that the above case (PLD 2002, SC 800) may kindly be ordered to be fixed for hearing at a very early date convenient to this Honourable Court."

''چنانچہ استدعا کی جاتی ہے کہ عدالتِ عالیہ کی سہولت کے مطابق مذکورہ بالا کیس کی سماعت کے لیے جلد از جلد تاریخ مقرر کی جائے۔'' (جاری ہے)

بحوالہ ''سود: حرمت، خباثتیں، اشکالات''، از حافظ انجینئر نوید احمد

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 398 دن گزر چکے!

دو چار کر دے گا، ان کے کہے کا کیا کہنا کہ دونوں حضرات کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے۔ ہم یہ شکر ادا کریں پاکستان ان کے عزائم سے بال بال بچ گیا ہے!

پاکستانی عوام مظلومیت کی انتہا پر ہیں۔ ایک ظالمانہ خون چوس نظام ان پر مسلط ہے۔ جس میں اشرافیہ تو اشرفیوں سے تلتی ہے اور ان کے لیے زندگی کی سانسیں بحال رکھنا دوبھر ہے۔ عزت نفس اور دو وقت کی روٹی سے محروم۔ سفید ہاتھیوں کے اموال کی کہانیاں اور جائیدادیں اربوں کھربوں میں۔ دیکھ لیجئے۔ القادر ٹرسٹ ہو یا اس کے پس پردہ بھاری رقوم مہنگی جائیدادیں، بڑے بڑے سیاسی روکر اور مہرے، ہوش ربا ہے سب۔ ادھر آئی ایم ایف کے قدموں میں رلتا پاکستانی۔ سبزی دال پھل سے محروم پیدل مارا مارا پھرتا پاکستانی۔ شاندار عدلیہ اور اس کی شاہانہ تنخواہیں، مراعات۔ سفید ہاتھیوں کے باڑے ہم مسکین پاکستانی پال رہے ہیں۔ کارکردگی افسران بالا کی دیکھنی ہو تو یہ خبر پڑھ لیجئے کہ واشنگٹن میں پاکستانی ملکیتی عمارات 4 سال سے خالی پڑی دھول چاٹ رہی ہیں۔ لاکھوں ڈالر کرایہ مل جاتا۔ اگر یہ ان کی ذاتی عمارات ہوتیں تو کیا یہی بے نیازی برتی جاتی؟ یہی قومی مزاج ہے۔ انصافیوں نے قومی املاک، پرائی گاڑیاں، موٹر سائیکلیں جلا ڈالیں۔ اپنی گاڑی اپنا گھر؟ چنگاری بھی نہ چھوئے! یہ خالی پڑی عمارات 3 سال عمرانی حکومت اور موجودہ ایک سال کے بعد اب کرائے لگیں گی!

ذرا جھانک کر ہمسایہ ملک افغانستان دیکھ لیجئے۔ شریعت کے تابع افسران بالا۔ ان کے وزیراعظم، ججوں، وزراء کی تنخواہیں، گاڑیاں، مراعات کا موازنہ پاکستان سے کر کے دیکھئے۔ وہاں عوام بہرصورت اپنے افسروں سے زیادہ خوشحال ہیں۔ (خصوصاً این جی اوز اور امریکی وظیفہ خوار۔) علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی! شریعت کی حکمرانی، قیادتوں پر بھاری ہوتی ہے اور عنداللہ و عندالناس جواب دہی کے پھاٹک کھول دیتی ہے اور عوام کو لاڈلا بنا کر رکھتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے حکمرانوں کی راتوں کی نیندیں اڑا دیتی اور انہیں عوام کی چوکیداری پر تحفظ پر پہرہ دار بنا دیتی ہے!

آزمائش شرط ہے!

دل و نظر کو بدل کے دیکھو
بدل تو سکتا ہے اب بھی نقشہ

❀❀❀

یومِ تکبیر...... ایٹمی پاکستان کی سلور جوبلی

نعیم اختر عدنان

پچیس سال قبل جب اسلامی جمہوریہ پاکستان نے دنیائے اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ پاکستان مملکت خداداد اور عطیہ خداوندی ہے۔ اس کا قیام چار سو سالہ تجدیدی و احیائی مساعی کا مرہون منت ہے۔ پاکستان کا بننا غلبہ اسلام کی طویل اور عالمی و کائناتی سکیم کا حصہ ہے۔ اسی خطہ پاک سے تعلق رکھنے والی افواج ارض مقدس میں واقع بیت المقدس کو یہودی قبضہ سے آزاد کرائیں گی۔ یہودی قوم کے لیے علیحدہ وطن ''اسرائیل'' کا قیام ایک بیماری ہے جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی صورت میں پہلے سے کر دیا۔ ایسی خوش کن باتیں، دلفریب کہانیاں اور جاں پُرسوز باتیں سن کر اور پڑھ کر بچپن سے جوانی اور اب جوانی سے بڑھاپا آن پہنچا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ جیسے نابغہ روزگار اور اسلامی مفکر کا یہ مژدہ جانفزا ''میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے'' بھی کانوں میں رس گھولتا اور دلوں کو سکون بخشتا ہے۔ اگر ہم اپنے محبوب اور پیارے وطن کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو موجود لمحے میں ہم بحیثیت قوم 75 سالہ سفر طے کر کے پلاٹینم جوبلی' منا رہے ہیں۔ تاریخ کے جھروکوں سے کچھ خوشگوار واقعات کا کھوج لگایا جائے تو قیام پاکستان کے ڈیڑھ سال بعد ہی دستور ساز اسمبلی نے ''قرارداد مقاصد'' کی منظوری سے اللہ تعالیٰ کے حق حاکمیت کو آئینی طور پر ریاست و مملکت کی سطح پر تسلیم کر کے عملاً یہ نعرہ مستانہ بلند کر دیا کہ ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

تب سے اب تک ریاست پاکستان کے ہر دستور میں قرآن وسنت کی بالادستی کا یہ اعلان و اعتراف موجود ہے۔ 1973ء میں ملک کی تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کی قیادت نے جو دستور تشکیل دیا تھا، اُس میں نہ صرف اسلامی دفعات کو شامل کیا گیا بلکہ آئینی طور پر ملک کا نام بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار پایا۔ اسی عہد حکومت میں 9 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے اتفاق رائے سے گلستان محمدی ﷺ کے عقیدہ ختم نبوت میں ضرب لگانے والے قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ اسی سال 1974ء کو ''شرار بولہبی'' کے پیروکار بھارت نے اسلام دشمن طاقتوں کے عملی تعاون سے راجستھان کے صحرا میں (مسکراتا بدھا) (Smilingbhudha) کے کوڈ نام سے ایٹمی دھماکہ کر کے خود کو ایٹمی صلاحیت کے حامل ممالک امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین جیسے ممالک کی فہرست میں اپنا نام لکھوالیا۔

مرتا کیا نہ کرتا پاکستان کی اُس وقت کی قیادت جو ذوالفقار علی بھٹو جیسے مرد زیرک کے ہاتھ میں تھی، نے پاکستان کو ایٹمی طاقت کا حامل ملک بنانے کے لیے'' ہرچہ بادا باد'' یعنی جو ہو سو ہو کے مصداق ناممکن کو ممکن بنانے کا بیڑا اُٹھالیا۔ یوں جس مشکل اور ناممکن العمل منزل کا آغاز ہوا تھا، اُس سفر کی تکمیل ضیاء الحق کے دور میں ممکن ہوئی۔ مگر ایٹمی قوت کے اعلانیہ اظہار اور عملی ثبوت کی فراہمی ابھی ایک قدم کی دُوری پر تھی۔ 1974ء کے بعد بھارت کی انتہا پسند حکومت، جو بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے موجود ہے، نے اٹل بہاری واجپائی کی قیادت میں مئی 1998ء کی چلچلاتی دُھوپ میں ''شکتی'' کے نام سے پوکھران کے مقام میں دو مراحل میں پانچ ایٹمی دھماکے کر کے ''بھارت ماتا کی جے'' کا عملی اظہار کر دیا۔ امن کے عالمی ٹھیکے داروں نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں پر تو چپ سادھ لی مگر ''نزلہ برعضو ضعیف'' کے مصداق پاکستان کو ''ناں بچہ ناں'' کی دھمکیاں اور لوریاں دے کر دو ہفتوں پر محیط ''سٹک اینڈ کیرٹ'' کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے تمام ممکنہ تدابیر اور ہتھکنڈے استعمال کیے تاکہ پاکستان کو ہر ممکن طریقے سے ایٹمی دھماکوں سے باز رکھا جائے۔ اس وقت کے امریکی صدر بل کلنٹن نے وزیراعظم پاکستان نواز شریف کو اربوں ڈالر امداد اور انعام کی پیشکش کی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چنانچہ ایٹمی دھماکوں کے حوالے سے امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں کو ''نہیں جناب اب نہیں'' کہہ دیا گیا جسے انگریزی میں ''Absolutly not'' کہتے ہیں۔ جس قادرِ مطلق ہستی نے انگریزوں اور ہندوؤں کے باہمی گٹھ جوڑ کے باوجود بھارت ماتا کے دو ٹکڑے کر کے اس کے بطن سے دنیا کی سب سے بڑی مسلمان ریاست کو نہ صرف وجود عطا کیا بلکہ پاکستان کو اُس کی گولڈن جوبلی یعنی پچاس سال مدت کی تکمیل پر دنیائے اسلام کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی مملکت کا منفرد اعزاز عطا فرمایا دیا۔ بقول شاعر ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پاکستان نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں بلوچستان کی سرزمین میں واقع پہاڑی سلسلہ'' چاغی میں ایٹمی دھماکوں کا چھکا لگا کر بھارتی بالادستی کا خواب چکنا چور کر دیا۔ 28 مئی 1998ء کا دن نہ صرف پاکستان کے لیے بلکہ پوری اسلامی دنیا کے لیے بے انتہا خوشی اور بے مثال مسرتوں کی نوید لے کر آیا۔ اسی عظیم اور یادگار دن کو ''یوم تکبیر'' کا نام دیا گیا۔ بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ پاکستان کے قیام طرح اس کی ایٹمی صلاحیت بھی ایک معجزہ اور عطیہ خداوندی ہے اور پاکستان ہی نہیں پورے عالم اسلام کی مشترکہ امانت ہے۔ جس کی حفاظت کرنا ہمارے دین کا تقاضا ہے۔ پاکستان کو ایٹمی صلاحیت کا حامل ملک بنانے میں جس شخصیت کا سب سے اہم اور کلیدی کردار ہے اُسے پوری دنیا ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے نام سے بخوبی پہچانتی ہے۔ ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ وَاَدْخِلْهُ فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُ حِسَابًا يَّسِيْرًا وَاَدْخِلْهُ فِيْ جَنَّتِكَ وَاَلْحِقْنَا بِعِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ)) آمین!

اسلام کے نام پر بننے میں' ایٹمی صلاحیت اور میزائل ٹیکنالوجی کی حامل اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ابھی اقصائے عالم میں بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دینے ہیں۔ بقول اقبال ؎

''وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہیں
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مگر پاکستان کے اقتدار کے ایوانوں پر قابض طبقات کی عاقبت نااندیشانہ پالیسیوں کی بدولت مملکت خداداد کی کشتی اس وقت سیاسی، معاشی، عدالتی و عسکری گرداب میں پھنس کر ہچکولے لے رہی ہے مگر جلد یا بدیر یہ صورت حال لازماً تبدیل ہوگی اور رات کے گھٹا اندھیروں کو مٹانے کے لیے جیسے صبح طلوع ہوتی ہے ویسے ہی ایمان و جہاد کے ولولہ سے لیس انقلابی تحریک کے خون سے تبدیلی آئے گی اور وطن عزیز کی فضاؤں میں اُجالا پھیلے گا اوور دوست و دشمن پکار اٹھیں گے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

علامہ اقبال کا یہ خواب ضرور شرمندۂ تکمیل ہوگا اور ''نوبت بااین جا رسید'' کا وہ لمحہ ضرور آئے گا جب ہم یہ کہہ سکیں گے: ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا''

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں کامل یقین اور امید واثق ہے کہ جب بھی رحمٰن کے مالیوں نے اپنا شعار چمن کی ترقی و خوشحالی کے موافق بنالیا تو اس چمن میں روٹی بہار کو پلٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔ان شاءاللہ

آخر میں جناب کوثر صدیقی کے دعائیہ اشعار پر اپنی گزارشات کا اختتام کررہا ہوں:

یارب فلک سے اونچا اس دیس کو اُٹھا دے
میرے چمن کو سب سے اچھا چمن بنا دے
عزت بڑوں کی کرنا، چھوٹوں سے پیار کرنا
دُنیا کی ساری اچھی باتیں ہمیں سکھا دے
منزل نصیب کرنا، گمراہی سے بچانا
جو سیدھے راستے ہیں اُن پر ہمیں چلا دے
محفوظ رکھنا شاخیں بلبل کے آشیاں کی
اس گلستان میں یارب پھول امن کے کھلا دے
ہر پھول ہر کلی کی کرتا رہوں حفاظت
جنت سے اس چمن کا مالی مجھے بنا دے
بڑھتے ہوئے اندھیرے نفرت کے ختم کر کے
ہر دل میں ایکتا کی اک شمع پھر جلا دے
ہر پیڑ اس چمن کا پھولے پھلے ہمیشہ
گہوارہ شانتی یا رب اسے بنا دے

❀❀❀

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ حلقہ سرگودھا

19 مئی 2023ء بروز جمعۃ المبارک نمازِ مغرب سے قبل امیر محترم حفظہ اللہ محترم پرویز اقبال نائب ناظم اعلیٰ شرقی زون کے ہمراہ حلقہ سرگودھا کے سالانہ تنظیمی دورے پر تشریف لائے۔ سیال موڑ انٹرچینج پر امیر حلقہ اور مقامی امراء نے امیر محترم حفظہ اللہ کو خوش آمدید کہا۔ اسی مقام پر تنظیم شرقی کے مبتدی رفیق ڈاکٹر محمد شریف کے ہسپتال سلطان میڈیکل کمپلیکس کی ملحقہ مسجد میں بعد نمازِ مغرب بعنوان ''محبت رسول ﷺ کے عملی تقاضے'' پر درسِ قرآن دیا۔ علاقے کے لوگوں نے بڑی تعداد میں درس میں شرکت کی۔ امیر محترم رات 10:30 پر اسرہ 90 جنوبی روانہ ہوئے۔ نقیب اسرہ عثمان اکرم گل نے اپنے رفقاء کے ہمراہ اپنی رہائش گاہ پر امیر محترم اور ان کے ساتھیوں کا استقبال کیا۔ یہیں پر رات قیام فرمایا اور مقامی مسجد میں بعد نمازِ فجر سورۃ التوبہ کی آیات 112، 111 کے حوالے سے درس دیا۔ ناشتے کے بعد صبح 08:30 بجے النور ہائی سکول میں ''قرآن حکیم اور ہم'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس پروگرام میں علاقے کے مذہبی و سیاسی شخصیات نے بھی شرکت کی۔ شرکاء کی کل تعداد 500 کے قریب تھی۔ اس موقع پر تنظیم کی جانب سے شرکاء میں سہ ورقہ فولڈر ''تنظیم اسلامی کی دعوت'' تقسیم کیا گیا۔ یہاں سے 10:00 بجے فراغت کے بعد مسجد جامع القرآن سرگودھا کے لیے روانہ ہوئے جہاں مقامی امیر محمد گلباز اور اُن کے رفقاء نے امیر محترم کا استقبال کیا۔ یہاں پر دن 11:00 بجے علماء، تاجر و پروفیسر حضرات کے ساتھ ملاقات کی نشست بعنوان ''پاکستان کی سلامتی اور ہمارا کردار'' کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس میں امیر محترم کے خطاب کے بعد شرکاء نے بھی تاثرات بیان کیے۔ اس پروگرام میں 60 افراد نے شرکت کی۔ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد امیر محترم نے آرام فرمایا۔ بعد نمازِ عصر جوہر آباد کے لیے روانگی ہوئی۔ حلقہ کے ناظم دعوت ثاقب قریشی نے الرفاہ کالج جوہر آباد میں امیر محترم اور اُن کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا۔ بعد نمازِ مغرب العزیز میرج ہال جوہر آباد میں امیر محترم نے ''پاکستان کے مسائل اور اُن کا حل'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ کو تو مانتے ہیں لیکن اللہ اور رسول ﷺ کی نہیں مانتے۔ حل کے طور پر بتایا گیا کہ ہم اللہ کے حضور اجتماعی توبہ کریں اور اپنے ملک پاکستان میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی روشنی میں دین کا نظام قائم کریں۔ اس پروگرام میں شرکاء کی تعداد 1500 کے لگ بھگ تھی۔ پروگرام میں حلقہ کی طرف سے مکتبہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔

امیر محترم نے رفاہ کالج میں ہی رات قیام فرمایا۔

اگلی صبح بروز اتوار حلقہ کے تمام رفقاء جو کہ گزشتہ روز صبح 8:30 بجے حلقہ کے سہ ماہی تربیتی اجتماع میں شرکت کے لیے رفاہ کالج جوہر آباد میں موجود تھے، انہیں بعد نماز فجر درس قرآن دیا۔ صبح 8:30 بجے امیر محترم نے حلقہ کے رفقاء سے ملاقات کی۔ پروگرام کے آغاز میں عبدالرحمٰن نے تلاوت قرآن و ترجمہ پیش کیا۔ مطالعہ حدیث نورخان نے کیا۔ امیر حلقہ نے حلقہ کے نظم کا تعارف پیش کیا۔ پھر ایک سال کے دوران حلقہ میں نئے شامل رفقاء کا تعارف کروایا۔ امیر محترم نے رفقاء کے سوالات کے تفصیلی جوابات دیئے۔ اس کے بعد تذکیری گفتگو فرمائی کہ اللہ کی رضا کی خاطر تنظیم کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ مبتدی و ملتزم رفقاء نے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت مسنونہ کی۔ دن 10:30 بجے تک رفقاء کے ساتھ بھرپور نشست رہی۔ چائے کے وقفے کے بعد دن 11:00 بجے حلقہ کے ذمہ داران کے ساتھ ملاقات رہی۔ امیر محترم نے ذمہ داران کے سوالات کے جوابات دیئے اور اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنے اسروں پر محنت کی ضرورت ہے۔ حلقہ قرآنی کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ گھریلو اسرہ کے قیام پر بھی زور دیا۔ اور ذمہ داران سے فرمایا کہ آج کے پروگرام میں جو رفقاء شامل نہ ہو سکے ہیں ان سے آپ نے فوراً رابطہ کرنا ہے۔ اُن کی خیریت معلوم کرنے کے بعد میرا سلام انہیں پہنچانا ہے اور میرے لیے اُن سے دعاؤں کی درخواست کرنی ہے۔ اس نشست کا اختتام 1:00 بجے ہوا۔ بعد نماز ظہر امیر محترم نائب ناظم اعلیٰ کے ہمراہ 2:00 بجے واپس روانہ ہوگئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ جن جن رفقاء نے ان پروگراموں کے لیے محنت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ امیر محترم اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی حفاظت میں رکھے اور صحت اور ایمان کی سلامتی والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

(رپورٹ: ہارون شہزاد، ناظم نشر و اشاعت سرگودھا)

❀❀❀

products.

Islamic financial systems and banking structures encompass human moral codes and the fixated interplay between markets and firms which emphasize non-exploitative behaviors towards borrowers and risk spread between transactions.According to the State Bank of Pakistan's report of April 2022, the largest ever growth in Islamic banking assets was recorded in CY21 which had surpassed the goal of Rs5 trillion to Rs5.5 trillion. Areas where Islamic finance can greatly benefit Pakistan and other lower developing economies can be affordable housing, SME setups, and Infrastructure development facilitation.

A point to note is that Islamic economics does not instigate the top one per cent control of all factors of production within society. It encourages wealth sharing and mutually exclusive transactional behaviors that add value to everyone's economic output. In terms of the Rationality of Consumers, Islamic Economic mechanism does not depend on individualistic assumptions but on society's collective actions where transparency between the state and its citizens is a conditionality for any transaction to take place.

Considering the factual insight into the workings of economics that is entwined into a system that beholds 'Hilf-ul-Fudhul', the pact to enhance society's honor (Mohamad Jebara; Muhammad, the World-Changer), it becomes essential that the workings of the social and financial setup on micro and macro levels embody the same principles of equity, justice, and wellbeing for the transactions to become holistically productive and progressive.

Unlike the Western financial system, the Islamic one does not run on the premise of capturing or commanding society for its interest but rather focuses on supporting and enhancing the community for general well-being and development. It comes from the inside and works towards the outer ambit, ensuring the success of all. Additionally, Islamic economics, through the holistic welfare concept, is intertwined with facilitation and inclusion; therefore, the use of technology to increase financial inclusion and make financial services more accessible to all members of society is inbuilt. And as stated earlier, it also promotes environmental sustainability and the conservation of natural resources.Pave the way it will, for Islamic Economics has that potential and it has proven it time and again, not only in the State of Medina, Umayyad empire, Abbasid empire, the Ottoman empire, but recently too in all countries where it has been implemented in its truest sense. However, there is a catch; it is intrinsically linked with the honest will of society and transparency of actions.

Unless we as a society also learn to prioritize the good of the country and community above individual interests, I am afraid we may have another face of debt-ridden transactions. Only the name will be different.

<u>Courtesy</u>:
https://www.thenews.com.pk/print/1068042-the-way-ahead

تبدیلی اوقات

ان شاء اللہ

’’قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی جنوبی‘‘ میں منعقدہ پروگرام

09 تا 11 جون 2023ء

امراء، نقباء و معاونین تربیتی و مشاورتی اجتماع

بروز جمعۃ المبارک نمازِ عشاء کی بجائے نماز مغرب کے بعد شروع ہوگا اور بروز اتوار نمازِ عصر کی بجائے نماز ظہر پر اختتام پذیر ہوگا۔

برائے رابطہ: 0321-2192701 / 021-34306041

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 78-35473375(042)

دعائے مغفرت

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

☆ حلقہ کراچی وسطی، راشد منہاس جوہر کے نقیب جناب کاشف جیلانی کے سسر وفات پاگئے۔

☆ حلقہ کراچی وسطی، شاہ فیصل کے سابقہ رفیق جناب جمیل خان وفات پاگئے۔

☆ حلقہ پنجاب پوٹھوہار، جاتلاں کے مبتدی رفیق حاجی محمد افضل وفات پاگئے۔

برائے تعزیت: 0334-5801055

☆ حلقہ کراچی شمالی کے منفرد ملتزم رفیق عبدالجمیل خان سلطان وفات پاگئے۔

برائے تعزیت: 0313-2404395

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔
قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَدْخِلْهُمْ فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

The way ahead?

By Muhammad Azfar Ahsan

"All that we borrowed up to 1985-86 was about $5 billion; we have paid approximately $16 billion and are still being told that we owe around $28 billion. The $28 billion came about because of the injustice in foreign creditors' interest rates. If you ask me what the worst thing in the world is, I would say it is compounded interest."– Olusegun Obasanjo, former president of Nigeria.Nigeria ended up paying $44 billion over a loan of $5 billion. The case of Nigeria will resonate with what Pakistan's economy is going through. As of January 2023, the public debt of Pakistan is around Rs54.94 trillion ($267 billion), which is more than 70 per cent of the GDP of Pakistan. Chasing these interest-laden loans, instead of structuring and generating in-house revenue through investments, has been the trend for the last seven decades, and it doesn't seem to be going anywhere unless strict adherence to a formally revised policy is maintained that targets economic recovery above any political bias.

A good step has been the announcement of converting to Islamic Financial Instruments (IFIs) by 2028. Why and how the Islamic Banking system will help is up for an open debate, but let's just list three things that promise to help the system: the absence of interest; non-acceptance of the speculative proposition; and profit-and-loss-sharing backed by assets. All three compel the system to stay safely streamlined, bringing the risk factor down to a minimum.Islamic banking, however, is threatened on two fronts; one by the needs and demand of the already thriving conventional instruments which pressurize the Islamic banks to adapt and comply rather than go a different way, and second by the lack of innovation and research to introduce uniquely Islamic products.

The basic essence of Islamic economics came to the forefront in Egypt when Ahmed Al-Najjar's saving and investment houses operating in Northern Egypt started financing poor farmers, on profit-and-loss sharing, and Mit Ghamar became the principal prompter of the resurgence of Islamic Banking. Malaysia followed with Tabung Haji – Pilgrims Management and Fund Board – that used the funds for investment in industrial and agricultural projects.It has always been the lowest rung of the economic ladder that Islamic finance looks at first. The core belief is that welfare has to start at the ground and build upwards and that an inflated capitalistic dome may hide the crises underneath but will never find the strong pillars to stay stable on forever. Collapse, in that case, becomes imminent, as we have seen in 2008 and again this year.

In fact, historically, the rotation of Zakat came in as a blessing, to support the new immigrants in Medina to set up their businesses and to have an equitable chance at success, with the already established business houses of the state. Equity over equality is a hallmark of Islamic economics, and with the recent international trends of Diversity, Equity, Inclusion (DEI) swarming Twitter and Facebook, Islamic Economists like Abu Yusuf, Muhammad bin al Hasan, Abu Ubaid, Al Mawardi, Al Ghazali, Ibn Taimiyah, and Ibn Khaldun, must be having a hearty laugh for they had realized the essence of DEI centuries ago.

Talking of welfare starting from the lowest rung, I would like to delve here into the impact of IFIs and their prospective and immediate beneficial effect. For example, Zakat collection in Pakistan can be between 1.6 per cent and 4.4 per cent of GDP. Targeted towards specific projects, this money can provide substantial development in communities lacking infrastructural needs. This is a good one-way investment that does not burden the recipient with any returns.While alternative financial schemes have never been anything novel in the world of finance, the move to the Islamic model represents a big shift towards a system that values collateral and assets as the fundamental base for credit extension and project/development financing. This transformation becomes innovative because it warrants a complete change of the system from head-to-tail with no room for legacy practices or

Vol: 32 Regd. No. C.P.L NO.114 No.21

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore